بفیض تاجدارِ اہل سنت حضور مفتی اعظم علامہ شاہ محمد مصطفےٰ رضا قادری برکاتی نوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مؤسس: الحاج محمد سعید نوری مدظلہ العالی

رضا اکیڈمی کا دینی، علمی اصلاحی و ادبی مجلہ

سالنامہ

یادگارِ رضا

ممبئی

شمارہ: 26

مدیر: غلام مصطفیٰ رضوی

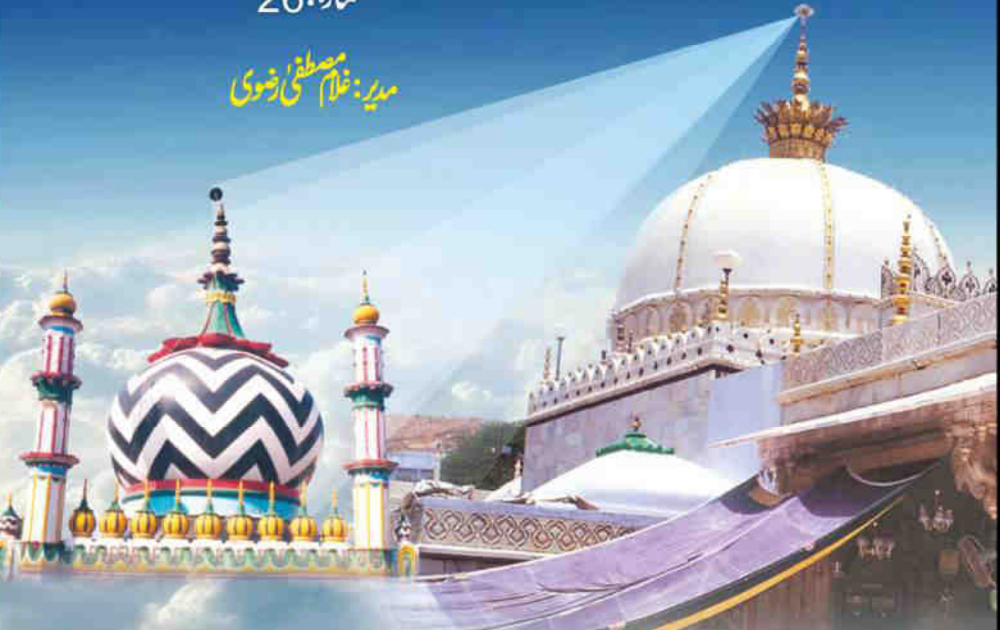

ناشر: رضا اکیڈمی ۵۲ ڈونٹاڈ اسٹریٹ کھڑک ممبئی ۴۰۰۰۰۹

Noori

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بہ فیض حضور مفتی اعظم علامہ شاہ محمد مصطفیٰ رضا قادری برکاتی نوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مؤسس: الحاج محمد سعید نوری مدظلہ العالی

رضا اکیڈمی ممبئی کا دینی و علمی مجلّہ

سال نامہ

یادگارِ رضا

{شمارہ:۲۶} {۱۴۴۱ھ/ ۲۰۔۲۰۱۹ء}

مدیر: غلام مصطفیٰ رضوی
[نوری مشن مالیگاؤں]

ناشر: رضا اکیڈمی

۵۲ رڈونٹاڈ اسٹریٹ، کھڑک ممبئی ۴۰۰۰۰۹

Ph.: (022) 66342156 www.razaacademy.com
e-mail : mumbai.razaacademy@gmail.com

منزل بہ منزل

اداریہ

۱	علم دین، تمدن مغرب اور ہماری غفلت	غلام مصطفیٰ رضوی	۳

تعلیمات

۲	امام احمد رضا: تصور علم و تعلیم	غلام مصطفیٰ رضوی	۶

ادبیات

۳	اعلیٰ حضرت کا قصیدۂ نور	ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی،	۱۵

اصلاحیات

۴	اعلیٰ حضرت اور ردِّ بدعات	علامہ پیرزادہ محمد رضا ثاقب مصطفائی	۱۹

معاشیات

۵	اعلیٰ حضرت اور معاش کے احکام	پروفیسر عبد المجید صدیقی	۳۱
۶	مِرا دین پارۂ ناں نہیں	علامہ قمر الزماں خاں اعظمی	۳۸

ضیائے خواجہ

۷	خواجۂ ہند وہ دربار ہے اعلیٰ تیرا	مولانا حسن رضا بریلوی	۴۰
۸	بارگاہِ خواجۂ ہند میں امام احمد رضا کی حاضری	یٰسٓ اختر مصباحی	۴۱

ضیائے مارہرہ

۹	احسن العلماء اور امام احمد رضا	سید صابر حسین شاہ بخاری قادری	۶۱

نوریات

۱۰	مفتی اعظم سرچشمۂ ولایت و ہدایت	مولانا مفتی محمد اشفاق حسین نعیمی	۷۲
۱۱	ولی صورت ولی سیرت ہمارے مفتی اعظم	حضرت سید آل رسول حسنین میاں نظمیؔ	۷۵

ضیائے اختر

۱۲	وداعِ تاج الشریعہ	علامہ قمر الزماں خاں اعظمی	۸۳
۱۳	تاج الشریعہ کا فقہی تبحر	قاضی فضل احمد مصباحی	۹۳
۱۴	تخصصاتِ تاج الشریعہ	ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی	۱۰۵

تحقیقات

۱۵	دیوانِ رضا میں ہندی اور سنسکرت الفاظ	ڈاکٹر محمد احمد نعیمی	۱۱۲

خدمات

۱۶	رضا اکیڈمی	ادارہ	۱۳۶

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اداریہ

علم دین، تمدن مغرب اور ہماری غفلت کا المیہ
(فکر اعلیٰ حضرت کی روشنی میں)

علم نعمت ہے۔ رحمت و برکت ہے۔ باعثِ نجات و وجہِ سربلندی ہے۔ اصل علم-علمِ دین-ہے۔ جس سے وابستگی نے قومِ مسلم کو ہر محاذ پر کامیاب کیا۔ جس سے جُڑے رہنے کی بنیاد پر اسلامی شوکت کا علَم بنجر وادیوں کی سر بلند چوٹیوں پر لہرایا۔ جس سے رشتہ و تعلق نے مسلم اُمہ کو عظیم مناصب اور کامیابی کی بلند منازل پر فائز کیا۔ جس سے وابستگی کی بنیاد پر تمدنِ اسلامی کا سویرا تھا۔ تمدنِ مغرب وادیِ ضلالت میں غرقاب تھی۔

جہاں بانی کا زوال

مسلم اُمہ کے زوال کے اسباب پر غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ- جہاں اغیار کی سازشیں رہیں وہیں ہماری کوتاہیوں کا بھی عمل دخل رہا۔ ہمارا زوال ہماری غفلت کا ہی نتیجہ ہے۔ ہم اس وقت مٹائے گئے جب ہم نے اپنے دین سے ناطہ کم زور کیا۔ ہم اس وقت فنا کیے گئے جب ہم نے اپنی ہی شناخت مٹا دی۔ اپنا چہرہ، اپنا وقار، اپنا لبادہ، اپنے تمدن سے بغاوت نے ہمیں ذلت کی پستی میں ڈال دیا۔ جب تک علم دین سے وابستگی رہی؛ دُنیا کی برہم زُلفیں بھی سنورتی رہیں۔ مسلمانوں نے علم و فضل کی بلند چوٹیوں پر کامیابیوں کے پھریرے لہرائے۔ ان سب کے باوجود ناکامیوں کی گرد کیوں وارد ہوئی؟ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> ''سب سے زیادہ اہم سب کی جان سب کی اصل اعظم وہ دین متین تھا جس کی رسّی مضبوط تھامنے نے اگلوں کو ان مدارج عالیہ پر پہنچایا چار دانگ عالم میں ان کی ہیبت کا سکہ بٹھایا، نانِ شبینہ کے محتاجوں کو بلند تاجوں کا مالک بنایا اور اسی کے چھوڑنے نے پچھلوں کو یوں چاہِ ذلت میں گرایا فانّا للہ وانّا الیہ راجعون، ولا حول ولا قوۃ الّا باللہ العلی العظیم۔ دین متین علم دین کے دامن سے وابستہ ہے، علم دین سیکھنا پھر اس پر عمل کرنا اپنی

دونوں جہان کی زندگی جانتے وہ انھیں بتا دیتا اندھو! جسے ترقی سمجھ رہے ہو سخت تنزل ہے، جسے عزت جانتے ہو اشد ذلت ہے۔''

[تدبیر فلاح ونجات واصلاح، نوری مشن مالیگاؤں، ص ۱۲۔ ۱۳]

غور طلب نکات

امام اہل سُنّت اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ اقتباس کے مطالعہ سے یہ نتائج نکلتے ہیں:

[۱] مسلمانوں کی سربلندی کا راز دین کی رسی مضبوط تھامنے میں ہے۔ دین سے دوری ہی ناکامیوں کی اصل ہے۔ اور زوال کا سبب بھی۔

[۲] شوکت اسلامی، دبدبہ، مسلم مملکتوں کا قیام، وقارِ ملکِ مسلم- اسلام سے وابستگی کی بنیاد پر تھے۔ دین سے دوری نے جہاں بانی سے الگ تھلگ کر دیا۔

[۳] دین سے وابستگی کی بنیاد پر تاجِ شہنشہی زیر قدم تھے۔ قصریٰ سرنگوں اور قیصر مفتوح تھا۔ آج بھی دامن مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ ہونے میں تاج وری، مملکت، تخت سب کچھ ملیں گے۔ خادمِ دین بن جائیں تو لوگ مخدوم بنالیں گے۔

[۴] موجودہ تنزل اور پستی دین سے دوری کے باعث ہے۔ غلامیِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اختیار کرلو۔ میادینِ علم وفن میں تمہاری عظمتوں کی گونج سُنائی دے گی۔

تمدن مغرب کی اسیری

اعلیٰ حضرت کے مذکورہ دینی وتعلیمی نکتے کے پیش نظر پروفیسر رفیع اللہ صدیقی (کوئنز یونیورسٹی کینیڈا) یہ تجزیہ پیش کرتے ہیں:

''یہ وہ زمانہ تھا کہ سرسید کی تعلیمی اصلاحات کی کوششیں رنگ لا رہی تھیں۔ مسلمان مغربی تعلیم حاصل کرنے کے لیے آگے بڑھ رہے تھے لیکن جو بات تشویش ناک تھی اور جسے مولانا کی ذات گرامی نے اسی وقت محسوس کرلیا تھا وہ یہ تھی کہ انگریزی تعلیم کے ساتھ ساتھ نوجوان نسل مغربی تہذیب کی بھی دل دادہ ہوتی جارہی تھی یعنی کوّا ہنس کی چال اختیار کررہا تھا جو ایک غیر فطری بات تھی۔ (اعلیٰ حضرت) امام احمد رضا نے سمجھ لیا تھا کہ اگر مسلمان علم دین سے بے بہرہ ہو گئے تو وہ اپنی حیثیت وانفرادیت کو گم کر بیٹھیں گے۔ نئی تہذیب ان کی وحدت کو ختم کردے گی۔''

[تعارف: تدبیر فلاح ونجات واصلاح، طبع نوری مشن مالیگاؤں، ص ۸]

موجودہ عہد میں میانہ روی، وسطیت، اعتدال کی راہ یہی ہے کہ اگر ہم ظاہری علوم وفنون حاصل کریں تو اس بات کا زیادہ خیال رکھیں کہ اصل تعلق علم دین سے باقی رہے۔ عملی زندگی میں فرامین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کریں کہ یہی حقیقی کامیابی کی ضمانت اور عروج وترقی کی منزل ہے۔ مغربی تمدن کی اسیری قوم کی موت کے مترادف ہے۔ ہمیں اسیرِ گنبدِ خضریٰ ہونا چاہیے تو تمدنِ مغرب کے سراب نگاہوں کو خیرہ نہ کر سکیں گے اور دل ونگاہ کا زاویہ سلامت رہے گا ؎

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانش فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

☆☆☆

gmrazvi92@gmail.com

اعلیٰ حضرت سے متعلق مولانا کوثر نیازی کا اعتراف

’’قرطاس وقلم سے میرا تعلق دو چار سال کی ہی بات نہیں نصف صدی کی بات ہے، اس دوران وقت کے بڑے بڑے اہل علم وقلم مشائخ وعلما کی صحبت میں بیٹھ کر استفادہ کرنے کا موقع ملا اور ان کے درس میں شریک رہا اور اپنی بساط کے مطابق فیض حاصل کرتا رہا، زندگی میں مَیں نے اتنی روٹیاں نہیں کھائی ہیں جتنی کثیر تعداد میں کتابیں پڑھی ہیں، میری اپنی ذاتی لائبریری میں دس ہزار سے زیادہ کتابیں ہیں وہ سب مطالعہ سے گزری ہیں، ان سب کے مطالعہ کے دوران امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی کتب نظر سے نہیں گزری تھیں اور مجھے یوں محسوس ہوتا تھا کہ علم کا خزانہ پالیا ہے اور علم کا سمندر پار کرلیا ہے۔ علم کی ہر جہت تک رسائی حاصل کرلی ہے۔ مگر جب امام اہل سنّت کی کتابیں مطالعہ کیں اور ان کے علم کے دروازے پر دستک دی اور فیض یاب ہوا تو اپنی جہل کا احساس اور اعتراف ہوا۔ یوں لگا کہ ابھی تو مَیں علم کے سمندر کے کنارے کھڑا صرف سیپیاں چن رہا تھا۔ علم کا سمندر تو امام کی ذات ہے۔ امام کی تصانیف کا جتنا مطالعہ کرتا جاتا ہوں عقل اتنی ہی حیران ہوتی چلی جاتی ہے اور یہ کہے بغیر نہیں رہا جاتا کہ امام احمد رضا، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزوں میں سے ایک معجزہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اتنا وسیع علم دے کر دُنیا میں بھیجا کہ علم کی کوئی جہت ایسی نہیں جس پر امام کو مکمل دسترس حاصل نہ ہو اور اس پر کوئی تصنیف نہ لکھی ہو، یقیناً آپ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کے صحیح جانشین تھے۔‘‘

(امام احمد رضا ایک ہمہ جہت شخصیت، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کشمیر ۲۰۰۴ء، ص ۲۹۔۳۰)

امام احمد رضا: تصورِ علم و تعلیم

غلام مصطفیٰ رضوی
نوری مشن مالیگاؤں
Cell. 09325028586

امام احمد رضا قادری برکاتی محدث بریلوی عالم وفقیہ، محدث ومفسر اور ادیب وشاعر تھے۔ علوم عقلیہ ونقلیہ پر کامل دسترس رکھتے تھے۔ جدید وقدیم علوم وفنون میں یگانۂ روزگار تھے اور ایک ماہر علم و تعلیم بھی۔

آپ کی ولادت ۱۰؍ شوال المکرم ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴؍ جون ۱۸۵۶ء کو شہر بریلی (یوپی) میں ایک معزز گھرانے میں ہوئی۔ والد ماجد مولانا نقی علی خاں بریلوی (م ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۸۰ء) اپنے عہد کے عظیم مفتی اور صفِ اول کے مصنف ومصلح تھے۔ فقاہت میں بلند پایہ مقام رکھتے تھے، اپنے والد مولانا رضا علی خاں بریلوی (م ۱۲۸۲ھ/ ۱۸۶۶ء) کی طرح انگریزوں سے سخت نفرت رکھتے تھے۔ امام احمد رضا نے جملہ علوم وفنون کی تحصیل اپنے والد ماجد اور گھریلو اتالیق سے کی۔ بعض علما سے استفادہ فرمایا جن میں مولانا سید ابوالحسین احمد نوری مارہروی (م ۱۹۰۶ء) اور مولانا عبدالعلی رامپوری (م ۱۸۸۵ء) سرفہرست ہیں۔ بعض ابتدائی درس مولانا مرزا غلام قادر بیگ بریلوی (م ۱۹۱۷ء) سے لیے بعد میں وہ خود امام احمد رضا سے استفادہ کرنے لگے۔

امام احمد رضا علوم وفنون کے بحرِ بیکراں تھے۔ اپنے ۵۴؍ علوم کا تذکرہ خود فرمایا۔ اکیس علوم اپنے والد ماجد سے حاصل کیے، وہ علوم جو اساتذہ سے نہیں پڑھے لیکن نقاد علمائے کرام سے اجازت حاصل فرمائی دس شمار ہوتے ہیں۔ وہ علوم جنہیں کتب بینی اور فکر ونظر کے استعمال سے حل فرمایا ان کی تعداد چودہ ہے۔ اسی طرح نو علوم اور شمار کرائے ہیں جن کی تعلیم بھی کسی استاذ سے نہیں لی۔

عصر جدید میں علم وفن کا شہرہ ہے؛ لیکن خودنمائی وجاہ طلبی کا عنصر غالب آ گیا ہے۔ فخر وغرور کا یہ عالم کہ ایک علم میں درک رکھنے والا دوسروں کو حقیر گمان کرتا ہے۔ گویا علم کا حصول بھی ''برتری، ناموری وشہر'' کے جذبہ کے تحت کیا جارہا ہے۔ امام احمد رضا ۵۴؍ علوم کے جاننے والے ہی نہیں بلکہ ان علوم کے ہر جزیے اور پہلو پر تعمق رکھتے تھے۔ اسے اللہ عزوجل کی عنایت سمجھتے تھے اور تشکر بجالاتے۔ ایک مقام پر

تحریر فرماتے ہیں:

''میرا یہ دعویٰ بھی نہیں کہ ان (علوم) میں اوران کے علاوہ دیگر حاصل کردہ فنون میں بہت بڑا ماہر ہوں۔ میں تو اپنی انتہائی کوشش یہ سمجھتا ہوں کہ ان علموں سے کچھ حصہ نصیب ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے سوال ہے کہ وہ مزید برکت فرمائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہر فن کے معمولی طالب علم کو مجھ پر غلبہ ہے لیکن مولیٰ سبحانہ وتعالیٰ جسے چاہتا ہے بلند کرتا ہے جسے چاہتا ہے گراتا ہے۔'' [۱]

دارالعلوم منظر اسلام کا قیام اور درس وتدریس

امام احمد رضا نے درسیات سے فراغت کے بعد ہی منصبِ افتا کو زینت بخشی۔ کچھ عرصہ طلبہ کو پڑھایا۔ پھر تصنیف وتالیف اور کثرتِ کار کے سبب تدریس کا سلسلہ منقطع ہوگیا؛ البتہ مخصوص شاگردوں کی تربیت کا سلسلہ جاری رہا۔ اس لحاظ سے آپ کے تلامذہ ہندو پاک، بنگلہ دیش، حجاز مقدس اور عرب و افریقہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔

۱۳۲۲ھ/ ۱۹۰۴ء میں شہر بریلی میں آپ نے ''دارالعلوم منظر اسلام'' قائم فرمایا۔ فرزند اکبر حجۃ الاسلام مولانا محمد حامد رضا خاں (م ۱۹۴۳ء) اس کے مہتمم اول مقرر ہوئے۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد رقم طراز ہیں:

''امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے تحریر کے ساتھ ساتھ کچھ عرصہ تدریس کو بھی ذریعۂ تعلیم وتبلیغ بنایا، وہ دارالعلوم منظر اسلام کے بانی تھے انہوں نے یہ دارالعلوم اس وقت قائم کیا جب دُشمنِ اسلام حاکموں نے سنی مسلمانوں کے لیے عرصۂ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ ایک مثالی دینی مدرسے کے بانی کے لیے ضروری ہے کہ اس میں اخلاص ہو، وہ فکر صحیح کا مالک ہو، تعلیم کے بارے میں اس کے نظریات واضح اور مفید ہوں۔ جب ہم امام احمد رضا کی حیات وتعلیمات کا مطالعہ کرتے ہیں؛ ہم کو ان کے ہاں یہ ساری خوبیاں نظر آتی ہیں اور دل گواہی دیتا ہے کہ کسی بھی مثالی دینی ادارے کا بانی ہو تو ایسا ہو۔'' [۲]

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کے مطابق امام احمد رضا نے درسیات سے فراغت کے بعد گھر پر ہی چند سال طلبہ کو پڑھایا، پھر کچھ عرصہ دارالعلوم منظر اسلام میں بھی پڑھایا اور بعد میں گونا گوں علمی مصروفیات کی وجہ سے گھر پر صرف مخصوص طلبہ کو مخصوص علوم وفنون کا درس دیتے رہے۔

تصورِ نصاب

عظیم اللہ جندران ایم۔اے اردو جامعہ پنجاب (لاہور) ایم۔ایڈ اسلامیہ یونیورسٹی (بہاولپور)

نے تعلیمی ادارے کے نصاب کی تشکیل کے حوالے سے امام احمد رضا کے تصورِ نصاب کے ضمن میں جو نتائج اخذ کیے ہیں اور خصوصیات بیان کی ہیں اس کے نکات کچھ اس طرح ہیں:

(۱) نصاب کی سب سے اہم خوبی یہ ہونی چاہیے کہ وہ نظریۂ حیات کے مطابق تیار کیا گیا ہو، اس میں کوئی بھی ایسی چیز شامل نہ ہو جو نظریۂ حیات سے متصادم ہو۔

(۲) نصاب جامع ہو اور طلبہ کی نفسیاتی ضرورتوں کو پورا کرے۔

(۳) بے سود وقت کو ضائع کرنے والی تعلیم کسی کام کی نہیں۔ نصاب معاشرتی ضرورتوں کا آئینہ دار ہو۔

(۴) نصاب میں تربیتی عنصر بھی شامل ہو۔

(۵) نصاب عصری تقاضوں کے مطابق ہو لیکن دین متین کی بنیادوں پر استوار ہو۔

(۶) آپ کے مطابق مروجہ سائنسی نظریات کو اسلامی نظریات کی روشنی میں پرکھ کر ہی نصاب کا حصہ بنانا چاہیے۔

(۷) نصاب اطاعت وحبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار ہو۔

(۸) نصاب عملاً قابلِ قبول ہو۔ کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ مفید تعلیم دی جائے۔

(۹) نصاب کی تیاری کے دوران مقصدیت بھی پیش نظر ہو اور وہ دین فہمی ہو۔

(۱۰) ہر وہ علم وفن جو دین سے برگشتہ وغافل کرے اس سے دین وایمان کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو؛ ا سے شاملِ نصاب نہیں ہونا چاہیے۔

عظیم اللہ جندران لکھتے ہیں کہ: ''امام احمد رضا خاں کا تصورِ نصاب جو ایک طرف تو آپ کی علمی قابلیت وصلاحیت کا منھ بولتا ثبوت ہے؛ تو دوسری طرف قومی تعلیمی پالیسی کے گراں قدر رہنما اُصولوں سے بھی مزین ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ وسعتِ علمی کے تحت آپ کے تجویز کردہ نصابی ماڈلز کو بھی ٹیچرز ٹریننگ اسکولز، کالجز، یونی ورسٹیز کے کورسز میں شامل کیا جائے تا کہ اس عظیم اسلامی مفکر تعلیم کے علمی ورثہ سے استفادہ کر سکیں۔''۳؎

ابتدائی تعلیم کا نصاب تربیت

سلیم اللہ جندران ریسرچ اسکالر پنجاب یونیورسٹی (لاہور) فتاویٰ رضویہ جلد دہم کے حوالہ سے رقم طراز ہیں:

امام احمد رضا خاں ابتدائی تعلیم کا نصاب نہایت تصریح ووضاحت کے ساتھ بیان فرماتے ہیں:

(۱) زبان کھلتے ہی اللہ اللہ، پھر پورا کلمہ لاالٰہ الااللہ سکھائے۔
(۲) جب تمیز آئے آداب سکھائے۔ کھانے پینے، ہنسنے بولنے، اُٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے، حیا، لحاظ، بزرگوں کی تعظیم، ماں باپ استاد اور دختر کو شوہر کی بھی اطاعت کے طرق و آداب بتائے۔
(۳) قرآن مجید پڑھائے۔
(۴) بعد ختم قرآن ہمیشہ تلاوت کی تاکید رکھے۔
(۵) عقائد اسلام و سُنّت سکھائے۔
(۶) حضور اقدس رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و تعظیم ان کے دل میں ڈالے۔
(۷) حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے آل واصحاب و اولیا و علما کی محبت و عظمت کی تعلیم دے۔
(۸) سات برس کی عمر سے نماز کی زبانی تاکید شروع کردے۔
(۹) علم دین خصوصاً وضو، غسل، نماز، روزہ کے مسائل سکھائے۔
(۱۰) توکل، قناعت، زہد، اخلاص، تواضع، امانت، صدق، عدل، حیا، سلامتِ صدر ولسان وغیرہ خوبیوں کے فضائل بتائے۔
(۱۱) حرص و طمع، حب دُنیا، حبِ جاہ، ریا، عجب، خیانت، کذب، ظلم، فحش، غیبت، حسد، کینہ وغیرہ برائیوں کے رذائل پڑھائے۔
(۱۲) زمانۂ تعلیم میں ایک وقت کھیلنے کا بھی دے کہ طبیعت پر نشاط باقی رہے۔
(۱۳) زنہار زنہار بری صحبت میں نہ بیٹھنے دے کہ یارِ بد مارِ بد سے بدتر ہے۔ [۴]

چوں کہ نصابِ تعلیم میں معلم (استاذ) کا کردار کلیدی ہوتا ہے، اور ابتدائی درس کے اثرات مستقبل کے لیے معاون ہوتے ہیں اس لیے ابتدائی تعلیم میں تعمیر شخصیت کے پہلو کو کسی طرح فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ متعلم (شاگرد) اور تربیت اولاد کے ضمن میں سلیم اللہ جندران تحریر فرماتے ہیں:

''مدرسہ میں استاذ کی شخصیت، گھر میں ماں باپ کی طرح بچوں کی تعلیم و تربیت کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ امام احمد رضا خاں ۵/تا ۶/سال کی عمر کے بچوں کے اسکول مدرسہ/ ایجوکیشن کے آغاز پر والدین پر یہ ذمہ داری عائد کرتے ہیں کہ والد '' بچے کو نیک، صالح، متقی، صحیح العقیدہ اور عمر رسیدہ استاد کے سپرد کرے اور بیٹی کو نیک، پارسا عورت سے پڑھوائے''، اگرچہ آج کل کے حالات میں بچوں کے لیے نیک، متقی، صحیح العقیدہ اور عمر رسیدہ (کہنہ مشق/ تجربہ کار) استاد کامل جانا نعمت عظمیٰ سے کم نہیں ہے اور عام حالات میں نہایت کٹھن کام ہے۔ بچوں کی تعلیم کے ضمن میں والدین اگر اس قدر دل چسپی لیں تو ان کے بچوں

کے یقیناً بہتر شخصیت کی تعمیر ممکن ہے۔'' ۵؎

استاذ کا مقام اور ادب واحترام

جس طرح جسم انسانی میں قلب کو مرکزی حیثیت حاصل ہے اسی طرح پورے نظام تعلیم میں استاذ کی حیثیت ہوتی ہے ۔ نصاب کتنا ہی عمدہ ہو لیکن اس کی تدریس بہتر نہ ہو تو نتائج منفی ظاہر ہوتے ہیں ۔ استاذ کے بغیر تربیت کے مقاصد حاصل نہیں ہوتے ۔ متعلم کے لیے ضروری ہے کہ وہ استاذ کی عزت اور ادب واحترام کو ملحوظ رکھے ۔ اس کی عظمت کو مانے کہ بغیر اس کے تعلیم کا فیض حاصل نہیں ہوتا ۔ امام احمد رضا نے استاذ کے وقار، ادب، احترام اور مقام کی وضاحت فرمائی ہے جسے نکات کی صورت میں تحریر کیا جاتا ہے:

(۱) استاذ کا شاگرد پر ایک سا حق ہے برابر اور وہ یہ کہ اس سے پہلے بات نہ کرے اور اس کے بیٹھنے کی جگہ اس کی غیبت میں بھی نہ بیٹھے اور چلنے میں اس سے آگے نہ بڑھے اور اس کی بات کو رد نہ کرے ۔

(۲) اپنے استاذ کے حقوق واجب کا لحاظ رکھے، اپنے مال میں کسی چیز سے اس کے ساتھ بخل نہ کرے ۔ یعنی جو کچھ اسے درکار ہو بخوشی خاطر حاضر کرے اور اس کے قبول کر لینے میں اس کا احسان اور اپنی سعادت جانے ۔

(۳) استاذ کے حق کو اپنے ماں باپ اور تمام مسلمانوں کے حق سے مقدم رکھے ۔

(۴) جس نے اسے اچھا علم سکھایا اگرچہ ایک ہی حرف پڑھایا ہو اس کے لیے تواضع کرے اور لائق نہیں کہ کسی وقت اس کی مدد سے باز رہے ۔

(۵) اپنے استاذ پر کسی کو ترجیح نہ دے؛ اگر ایسا کرے گا تو اس نے اسلام سے ؛ رشتوں سے ایک رسی کھول دی،

(۶) اور استاذ کی تعظیم سے ہے کہ وہ اندر ہو اور یہ حاضر ہو تو اس کے دروازہ پر ہاتھ نہ مارے بلکہ اس کے باہر آنے کا انتظار کرے ۔

(۷) عالم دین ہر مسلمان کے حق میں عموماً اور استاذِ علم دین اپنے شاگرد کے حق میں خصوصاً نائب حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے، ہاں اگر وہ کسی خلافِ شرع بات کا حکم کرے؛ ہرگز نہ مانے کہ لاطاعة لاحد فی معصیة اللہ تعالی (اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں) مگر اس نہ ماننے میں گستاخی و بے ادبی سے پیش نہ آئے فان المنکر لایزال بمنکر (گناہ کا ازالہ گناہ سے

نہیں ہوتا)٦ ؎

ضابطۂ اخلاق اور تصور سزا

فی زمانہ محزبِ اخلاق تعلیم و تعلّم کا دور دورہ ہے۔ ایسے میں اخلاق کے جوہر کا پایا جانا مشکل ہے۔ اسلام نے اخلاق کو تربیت میں بنیادی حیثیت دی ہے اور اسے علم کا لازمی حصہ بنادیا ہے۔ استاذ دورانِ درس متعلم کی اصلاح اور اس کے تعلیمی ذوق کو بڑھانے کے لیے سزا دینے کا مجاز ہے، لیکن اس کے لیے بھی ضابطۂ اخلاق اور اُصول مدِ نظر رہے۔ سلیم اللہ جندران رقم طراز ہیں:

''امام احمد رضا خاں بریلوی (۱۳۱۰ھ) فتاویٰ رضویہ جلد دہم، باب دہم، علم التعلیم اور عالم و متعلم میں استاد کے لیے یہ ضابطۂ اخلاق دیتے ہیں: ''(استاذ) پڑھانے سکھانے میں رفق و نرمی ملحوظ رکھے موقع پر چشم نمائی، تنبیہ تہدید کرے مگر کوسنا نہ دے، کہ اس کا کوسنا ان کے لیے سببِ اصلاح نہ ہوگا بلکہ زیادہ فساد کا اندیشہ ہے۔ مارے تو منھ پر نہ مارے، اکثر اوقات تہدید و تخویف پر قانع رہے، کوڑا قمچی اس کے پیش نظر رکھے کہ دل میں رعب رہے۔'' امام احمد رضا خاں تدریس میں نرمی اور حکمت کے ذریعے ضبط قائم کرنے پر زور دیتے ہیں'' ۷ ؎

۱۹ رشوال المکرم ۱۳۱۵ھ کو مولانا خلیل احمد خاں پیشاوری نے فارسی میں ایک سوال بھیجا، جس میں امام احمد رضا سے پوچھا کہ استاد اپنے شاگرد کو بدنی سزا دے سکتا ہے یا نہیں؟ اس کے جواب (بزبان فارسی) کے اردو ترجمے کا ایک حصہ ملاحظہ فرمائیں:

''ضرورت پیش آنے پر بقدرِ حاجت تنبیہ، اصلاح اور نصیحت کے لیے بلا تفریق اجرت و درم اجرت استاد کا بدنی سزا دینا اور سرزنش سے کام لینا جائز ہے مگر یہ سزا لکڑی ڈنڈے وغیرہ سے نہیں بلکہ ہاتھ سے ہونی چاہیے اور ایک وقت میں تین مرتبہ سے زائد پٹائی نہ ہونے پائے۔'' ۸ ؎

علوم عقلیہ و سائنس کی تحصیل

اسلام کے نزدیک ان تمام علوم کا حاصل کرنا اور درس لینا جائز ہے جو حدودِ شرع میں ہوں اور مُضر نہ ہوں۔ ماہرین تعلیم نے تعلیمی نظریات کو تین خانوں میں تقسیم کیا ہے:

(۱) اشتراکی (۲) جمہوری (۳) اسلامی

اشتراکی نظام تعلیم مادیت سے بحث کرتا ہے۔ اس میں مذہب کے لیے کوئی جگہ نہیں، جمہوری نظام تعلیم مملکت میں بسنے والے تمام مذاہب میں مساوات اور تہذیبی اشتراک کو مدنظر رکھ کر

تشکیل پاتا ہے، عموماً اس میں مذہبی تعلیم کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے، لہٰذا ان دونوں نظام ہائے تعلیم میں مذہبی روح کا پاس ولحاظ نہیں۔ اسلامی نظام تعلیم میں انسانی زندگی کے تمام گوشوں کا احاطہ کرلیا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ گود سے گور تک تعلیم وتربیت کا اہتمام اسلام نے کر رکھا ہے۔ حیات کا کوئی گوشہ تشنۂ فیض اور محروم نہیں۔ اسلام ! جہالت، جور وستم، منافرت وعداوت، تشدد وتوہین جیسے غیر انسانی رویوں کا خاتمہ کر کے ایک ذمہ دار شہری تیار کرتا ہے۔

علم کے ساتھ اُصول وقانون اور ضابطہ کا ہونا لازمی وضروری ہے۔ علم کے دو رُخ ہیں۔ منفی و مثبت۔ قانون وضابطہ راحت وطمانیت کو راہ دیتا ہے اس کی صورت مثبت پہلو کے قیام سے یقینی ہے، مثلاً سائنس کو دیکھیں اسے انسانی زندگی کی بقاوآسائش کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے اور جوہری توانائی کو اسیر بنا کر آبادیوں میں منتشر کر کے حیاتِ انسانی کے خاتمہ کے لیے بھی، اسلام ہر علم کے لیے قانون مہیا کرتا ہے اور سلامتی کے پیغام کو فائق رکھتا ہے۔

امام احمد رضا تمام علوم کو دین حق کے زاویے سے دیکھتے تھے۔ آپ کے نزدیک انہیں علوم کی تعلیم دی جائے جو دین ودُنیا میں کام آئیں، غیر مفید اور غیر ضروری علوم کو نصاب سے خارج کر دیا جائے۔

سائنس وفلسفہ جو اشترا کی وجمہوری نظام ہائے تعلیم کے زیر اثر پروان چڑھتے ہیں۔ عموماً اس میں مذہب کی رورعایت نہیں ہوتی۔ ایسے ایسے نظریات پڑھائے جاتے ہیں جو مذہبی اُصولوں سے مطابقت نہیں رکھتے اور فکری انتشار کو راہ دیتے ہیں۔ امام احمد رضا ایسے علم کو مُضر قرار دیتے ہیں اور اسے ''علم'' تسلیم نہیں کرتے، لکھتے ہیں:

''ہیہات ہیہات (افسوس افسوس) اسے علم سے کیا مناسبت، علم وہ ہے جو مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ترکہ ہے، نہ وہ جو کفار یونان کا پس خوردہ۔

اسی طرح وہ ہیئت جس میں انکار وجود آسمان وتکذیب گردش سیارات وغیرہ کفریات وامور مخالف شرع تعلیم کئے جائیں وہ بھی مثل نجوم حرام وملوم اور ضرورت سے زائد حساب یا جغرافیہ وغیرہما داخل فضولیات ہیں۔''۹؎

برطانوی انگریز نومسلم ڈاکٹر محمد ہارون (م ۱۹۹۸ء) نے اپنے مقالہ ''امام احمد رضا کی عالمی اہمیت'' میں یہ تاثر دیا ہے کہ: ''آپ کا نظریہ تھا کہ سائنس کو کسی طرح بھی اسلام سے فائق اور بہتر تسلیم نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی کسی اسلامی نظریے، شریعت کے کسی جزیا اسلامی قانون سے گلوخلاصی کے لیے اس کی کوئی دلیل مانی جاسکتی ہے۔ اگر چہ وہ خود سائنس میں خاصی مہارت رکھتے تھے لیکن اگر کوئی اسلام میں سائنس سے مطابقت پیدا

کرنے کے لیے کوئی تبدیلی لانا چاہتا تھا آپ اسے ٹھوس علمی دلائل سے جواب دیتے تھے۔''۱۰؎

امام احمد رضا قرآن عظیم سے فیض پاتے احادیث نبوی سے اکتساب کرتے اور انہیں کی روشنی میں علوم کو جانچتے اور پرکھتے۔جس کو ان کے مطابق پاتے تسلیم کرتے اور جسے مخالف پاتے اس کی دلائل سے مخالفت کرتے، اس میں کسی طرح کی لچک کے قائل نہ تھے۔آپ سائنس کو قرآن مقدس کی روشنی میں پرکھنے کے قائل تھے۔اس لیے آپ سائنس کی تعلیم کی مشروط اجازت دیتے ہیں کہ:''سائنس اور مفید علوم عقلیہ کی تحصیل میں مضائقہ نہیں مگر ہیئت اشیا سے زیادہ خالق اشیا کی معرفت ضروری ہے۔''۱۱؎

ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں: ''مطلقاً علوم عقلیہ کی تعلیم وتعلّم کو ناجائز بتانا یہاں تک کہ بعض مسائل صحیحہ مفیدہ عقلیہ پر اشتمال کے باعث توضیح وتلویح جیسے کتب جلیلہ عظیمہ دینیہ کے پڑھانے سے منع کرنا سخت جہالت شدیدہ وسفاہت بعیدہ ہے۔''۱۲؎

امام احمد رضا ضروریاتِ دین کا علم حاصل کر لینے کے بعد دیگر علوم کو حاصل کرنے کی ترغیب دیتے ہیں اور ان علوم کے حصول کو مباح قرار دیتے ہیں جن سے واجب شرعی میں خلل نہ آئے۔آپ لکھتے ہیں:

''ہاں جو شخص ضروریاتِ دین مذکورہ سے فراغت پا کر اقلیدس، حساب، مساحت، جغرافیہ وغیرہا وہ فنون پڑھے جن میں کوئی امر مخالف شرعی نہیں تو ایک مباح کام ہوگا جب کہ اس کے سبب کسی واجب شرعی میں خلل نہ پڑے۔''۱۳؎

ایک اور مقام پر رقم طراز ہیں: ''اگر جملہ مفاسد سے پاک ہو تو علوم آلیہ مثل ریاضی وہندسہ و حساب وجبر ومقابلہ وجغرافیہ وامثال ذلک ضروریات دینیہ سیکھنے کے بعد سیکھنے کی کوئی ممانعت نہیں کسی زبان میں ہو اور نفس زبان کا سیکھنا کوئی حرج رکھتا ہی نہیں۔''۱۴؎

انگریزی زبان سیکھنا

امام احمد رضا کے مطابق کسی بھی زبان کے سیکھنے میں کوئی حرج نہیں؛ لیکن مقصد دین اسلام کی اشاعت وتبلیغ ہو اور عقائد محفوظ وسلامت رہیں۔ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

''ایسی انگریزی پڑھنا جس سے عقائد فاسد ہوں اور جس سے علمائے دین کی توہین دل میں آئے ،انگریزی ہو خواہ کچھ ہو ایسی چیز پڑھنا حرام ہے۔''۱۵؎

استعماری قوتوں نے مسلمانوں کے علم وفن سے رشتے کو کم زور کرنے کے لیے ایسے نصاب تشکیل دے لیے جن سے اسلامی سوچ وفکر میں واضح تبدیلی آئی۔عقائد میں انتشار برپا ہوا۔

آنریبل ایم نفنسٹن اور آنریبل ایف وارڈن نے ۱۸۲۳ء/ ۱۲۳۸ھ کو جو ایک متفقہ یادداشت

(انگریز) گورنمنٹ کو پیش کی تھی اس سے بھی مغربی نظامِ تعلیم کے اجرا کے استعماری مقاصد عیاں ہوتے ہیں۔اس یادداشت کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

''ہماری فتوحات کی نوعیت ایسی ہے کہ اس نے نہ صرف ان کی عملی ترقی کی ہمت افزائی کے لیے تمام ذرائع کو ہٹایا ہے بلکہ حالت یہ ہے کہ قوم کے اصلی علوم بھی کم ہوجانے کا اندیشہ ہے؛ اس الزام کو دور کرنے کے لیے کچھ کرنا چاہیے۔'' ۱۶۔

امام احمد رضا محدث بریلوی نے اپنے تعلیمی نظریات (جن کی بنیاد مضبوط و مستحکم اسلامی عقائد و تعلیمات پر ہے) کو مقصدیت سے جوڑ کر تعمیر شخصیت کا واضح اُصول مقرر فرمادیا؛ وہ یہ کہ علومِ جدیدہ ہوں یا دیگر علوم وفنون وہ اسلامی فکر وخیال کو پروان چڑھاتے ہوں؛ اور حق شناسی کا جوہر عطا کرتے ہوں، ان کا حصول بلا شبہ کیا جانا چاہیے۔آج ضرورت ہے کہ امام احمد رضا کے پیش کردہ تجاویز و تعلیمی افکار کو فروغ دیا جائے تاکہ مسلمانوں کے تعلیمی انحطاط وزوال کی تیرگی دور ہو اور سویرا نمودار ہو۔

مصادر ومراجع

(۱) احمد رضا خاں، امام، الاجازات المتینۃ لعلماء بکۃ والمدینۃ، مشمولہ رسائل رضویہ، مطبوعہ ادارہ اشاعت تصنیفات رضا بریلی، ص ۱۶۳

(۲) محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر، دارالعلوم منظر اسلام، مطبوعہ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۲۰۰۱ء، ص ۶-۷

(۳) عظیم اللہ جندران، امام احمد رضا کا تصورِ نصاب، مشمولہ یادگار رضا ۲۰۰۴، مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی، ص ۱۰۶ تا ۱۲۸

(۴) ماہ نامہ ضیاے حرم لاہور، نومبر ۲۰۰۵ء، ص ۴۱

(۵) معارفِ رضا سال نامہ ۲۰۰۳ء کراچی، مقالہ تعمیر شخصیت اور تربیتِ اولاد کا اسلامی نفسیاتی ماڈل، ص ۸۲-۸۳

(۶) احمد رضا خاں، امام، فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد ۲۳، مطبوعہ مرکز اہل سُنّت برکات رضا پور بندر گجرات، ص ۶۳۷ تا ۶۳۹

(۷) ماہ نامہ ضیاے حرم لاہور، نومبر ۲۰۰۰ء، ص ۴۳-۴۴

(۸) احمد رضا خاں، امام، فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد ۲۳، مطبوعہ مرکز اہل سُنّت برکات رضا پور بندر گجرات، ص ۶۵۲

(۹) نفس مصدر، ص ۶۲۸-۶۲۹

(۱۰) محمد ہارون، ڈاکٹر، امام احمد رضا کی عالمی اہمیت، مطبوعہ نوری مشن مالیگاؤں، ص ۸-۹

(۱۱) محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر، دارالعلوم منظر اسلام، مطبوعہ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۲۰۰۱ء، ص ۱۰

(۱۲) احمد رضا خاں، امام، فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد ۲۳، مطبوعہ مرکز اہل سُنّت برکات رضا پور بندر گجرات، ص ۶۳۴

(۱۳) نفس مصدر، ص ۶۴۸ (۱۴) نفس مصدر، ص ۶۰۷

(۱۵) احمد رضا خاں، امام، فتاویٰ رضویہ (قدیم) جلد ۶، مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی، ص ۲۴

(۱۶) ماہ نامہ ضیاے حرم لاہور، فروری ۲۰۰۱ء، ص ۴۰-۴۱

☆☆☆

اعلیٰ حضرت کا قصیدۂ نور
اور خانقاہ قادری بدایوں کی ایک یادگار روحانی محفل

ڈاکٹر محمد حسین مشاہدؔ رضوی، مالیگاؤں

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کے کلام پر لکھی گئی تضمینوں اور ان کی زمینوں پر لکھے گئے کلام کا انتخاب ''تضمیناتِ بخشش'' اور ''طرزِ رضا کی پیروی'' ترتیب دیتے وقت سیکڑوں کتب و رسائل اور اخبارات و جرائد نظروں سے گزرے۔ اس دوران بہت سارے ایسے ایسے علمی نوادرات بھی دستیاب ہوتے گئے کہ بس دل سے سبحان اللہ اور ماشاء اللہ کی داد نکلتی رہی؛ ساتھ ہی اس امر کا انکشاف بھی ہوتا رہا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا اپنے معاصرین میں بے حد مقبول اور منظورِ نظر بلکہ مرکزِ عقیدت تھے کہ ان کے دور میں خود ان کے کلام پر معاصر شعرا تضمینیں بھی لکھ رہے تھے اور ان کی طرزوں کے اتباع میں کلام بھی۔ جب کہ اس بات کا جید مشاہدہ ہے کہ جب شعرا وفات پا جاتے ہیں تو ان کی یاد میں بعد کے لوگ اُن کے کلام کو اپنی فکر و نظر کا محور بنا کر تضمین نگاری یا ان کے کسی مصرع کو برت کر کلام لکھتے ہیں، جب کہ یہ کلامِ رضاؔ کا امتیازی اختصاص ہے کہ اُن کے معاصر شعرا نے اُن کے کلام پر نہ صرف یہ کہ تضمین نگاری کا مظاہرہ کیا بلکہ اعلیٰ حضرت کے کلام کی پیروی میں نعتیہ کلام بھی لکھا۔ اس ضمن میں شاید اولین نقش کے طور پر اعلیٰ حضرت کے مشہورِ زمانہ ''قصیدۂ نور'' پر لکھے گئے مولانا علی احمد خاں اسیرؔ بدایونی علیہ الرحمہ کے کلام کو پیش کیا جا سکتا ہے، جو کہ اس وقت لکھا گیا جب اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کا مرقومہ ''قصیدۂ نور'' سب سے پہلے خانقاہ قادری بدایوں کے عرس قادری میں پڑھا گیا۔ جس کی تفصیل مجلہ بدایوں 1960ء میں بالتفصیل مولانا یعقوب حسین ضیاء القادری بدایونی نے تحریر کیا ہے۔ ہم اپنے اس مضمون ''اعلیٰ حضرت کا قصیدۂ نور اور خانقاہ قادری بدایوں کی ایک یادگار روحانی محفل'' کو اسی روداد کی روشنی میں قلم بند کر رہے ہیں۔ واضح ہو کہ کلام رضا پر سب سے پہلی تضمین بھی بدایوں شریف ہی کے ایک بہترین شاعر استاذِ زمن مولانا حسن رضا کے شاگرد رشید مولانا محمد حسن اثر قادری برکاتی نوری بدایونی علیہ الرحمہ نے لکھی۔ اعلیٰ حضرت کے قصیدۂ معراجیہ پر مولانا محمد حسن اثر قادری برکاتی نوری بدایونی کی مرقومہ خوب صورت تضمین کا عکس مجھے شہید بغداد مولانا اسید الحق عاصم القادری بدایونی نے 9ر

مارچ 2013ءکوروانہ کی تھی۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی اور تاج الفحول محب رسول مولانا شاہ مظہر الحق عبدالقادر عثمانی قادری برکاتی بدایونی دونوں ہی مے خانۂ مارہرہ کے بادہ خوار تھے اور ان دونوں کے درمیان جومخلصانہ اور دوستانہ مراسم تھے اور دونوں کے درمیان جوعقیدت ومحبت تھی وہ تاریخ کا ایک روشن باب ہے جس کا نظارا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کے مرقومہ ''قصیدتان رائعتان'' اور ''قصیدہ چراغِ انس'' میں کیا جاسکتا ہے۔

خانقاہ عالیہ قادری بدایوں اپنے علم وفضل اور شرافت وبزرگی کے لحاظ سے ہمیشہ علمائے ذوی الاحترام کا مرجع رہی ہے۔زمانۂ قدیم سے یہاں ہر سال عرس قادری کے نام سے ایک سالانہ اجتماع منعقد ہوتا رہا ہے۔اس زمانے سے ہندوستان کے تمام اعراس میں عرس قادری کو یہ انفرادی خصوصیت حاصل رہی ہے کہ یہاں عرس کی جملہ تقریبات میں تمام شرعی آداب ملحوظ رکھے جاتے ہیں۔

اسی خانقاہ قادری بدایوں کے ایک یادگار عرس منعقدہ 5رجمادی الاخریٰ 1317ھ میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی کا ''قصیدۂ نور'' سب سے پہلے پڑھا گیا۔جس میں ہندوستان کے نامور علماومشائخ حضرت مخدوم سید شاہ علی حسین اشرفی میاں کچھوچھوی،حضرت تاج الفحول مولانا عبدالقادر بدایونی،حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتی،حضرت نوشہ میاں قادری چشتی سجادہ نشین آستانہ قادریہ رزاقیہ بانسہ شریف،حضرت مولانا حافظ سید شاہ عبدالصمد چشتی حافظ بخاری سہسوانی،حضرت مولانا ہادی علی خاں سیتاپوری،مولانا ہدایت رسول رام پوری،شاہ محمد فاخرالہ آبادی،شاہ تجمل حسین جمن میاں شاہ جہاں پوری علیہم الرحمۃ والرضوان وغیرہم جلوہ فرماتھے۔خاتم اکابر قطب مارہرہ شیخ المشائخ حضور سید شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں صاحب قدس سرہٗ مارہرہ مطہرہ اس روحانی محفل میں صدرِ مشائخ تھے۔اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی بھی تشریف فرماتھے۔ان کے علاوہ مارہرہ شریف، بریلی شریف، پیلی بھیت شریف اور لکھنؤ وغیرہ کے اکابر علماوشعراموجود تھے۔علماومشائخ کے بیانات کے بعد حضرت شہید ملت مولانا شاہ عبدالقیوم بدایونی عرس قادری کے منتظم تاج الفحول محب رسول مولانا عبدالقادر بدایونی کی خدمت میں نعت خواں حضرات کی ایک جماعت کے ساتھ حاضر ہوئے اور اعلان کیا کہ تمام حضرات اطمینان وسکون سے تشریف رکھیں۔آج ہمارے شہر بدایوں کے مشہور ومعروف نعت خواں حافظ عبدالحبیب قادری،محترم المقام مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی کا تازہ ترین تصنیف کیا ہوا ''قصیدۂ نور'' اپنے مخصوص لب ولہجے میں پڑھیں گے۔

چناں چہ کچھ دیر بعد جناب حافظ عبدالحبیب قادری مرحوم نے اپنے مخصوص انداز میں قصیدۂ نور پڑھنا شروع کیا۔لوگ بیان کرتے تھے کہ محفل سراپا نور بن گئی۔ درو دیوار سے نور نور کا نغمہ بلند ہو رہا تھا۔علما و مشائخ ،ادبا و شعرا اور حاضرین محفل کیف و سرور کے عالم میں سبحان اللہ اور صل علیٰ کے مؤدبانہ و تحسین آمیز نعرے بلند کررہے تھے۔ ایک ایک شعر چار چار پانچ پانچ مرتبہ پڑھوایا جارہا تھا۔ کیف و سرور کی ایک کیفیت برپا تھی۔ ہر شخص پر وجد طاری تھا یوں معلوم ہوتا تھا کہ انوارِ الٰہی کی بارش جھما جھم برس رہی ہے۔ حافظ عبدالحبیب بدایونی نے یہ قصیدہ صاحبِ عرس کے حضور،اکابر مشائخ وعلما کے ساتھ ساتھ مصنفِ قصیدہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کی موجودگی میں پڑھا تھا۔ دس بجے یہ قصیدہ شروع ہوا اور قبلِ ظہر ختم ہوا۔جس وقت حافظ صاحب نے قصیدے کا مقطع پڑھا:

اے رضاؔ یہ احمدِ نوریؔ کا فیضِ نور ہے
ہوگئی میری غزل بڑھ کر قصیدہ نور کا

شیخ المشائخ حضور سید شاہ ابوالحسین احمد نوریؔ میاں صاحب قدس سرہٗ نے جو گردن جھکائے مراقب نظر آرہے تھے۔گردن مبارک اٹھائی اور دست بدعا ہوئے؛امام احمد رضا قادری برکاتی بے ساختہ اٹھے اوران کی زبان سے ایک چیخ نکلی اور حضرت نوری میاں قدسرہٗ کے زانوے مبارک پر اپنا سر رکھ دیا۔

حضرت شہید ملت مولانا شاہ عبدالقیوم قادری نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کو خوب مبارک بادی پیش کی،اور مجمع میں اعلان فرمایا کہ: حضرات آپ کے قلوب و اذہان حضرت فاضل بریلوی کے قصیدۂ نور نے یقیناً منور فرمائے، اب میں آپ کو دوسری خوش خبری سناتا ہوں کہ شب کے جلسہ میں ہمارے محترم دوست مولانا علی احمد خاں اسیرؔ قادری بدایونی کا قصیدۂ نور بھی پڑھا جائے گا جو کہ انھوں نے حضرت فاضل بریلوی کے تتبع میں لکھا ہے۔

چناں رات سیف المسلول مولانا سید ہدایت رسول رام پوری علیہ الرحمہ نے وعظ و نصیحت فرمائی اور تقریباً نصف شب گزرنے کے بعد مولانا علی احمد خاں اسیرؔ بدایونی کا قصیدۂ نور بدایوں کے معزز افراد شیخ سخاوت اور شیخ نثار احمد غزنوی برادران نے بہترین انداز میں پڑھنا شروع کیا:

مرحبا آیا عجب موسم سہانا نور کا
بلبلیں گاتی ہیں گلشن میں ترانا نور کا

برادرِ اعلیٰ حضرت مولانا حسن رضا خاں حسنؔ بریلوی،مولانا شائقؔ عباسی، حافظؔ پیلی بھیتی ،سید بیباکؔ شاہ جہاں پوری جیسے شعرا حضرات اور دیگر علما و مشائخ نے خوب خوب داد و تحسین سے مولانا علی احمد خاں اسیرؔ صاحب کو نوازا۔ساری محفل سرور و کیف میں سرشار تھی ۔ قبولیت کے آثار

نمایاں ہورہے تھے۔ایک ایک شعر کئی کئی بار پڑھوایا گیا۔حضرت اسیؔر کے اس قصیدے کا اختتام وقت فجر ہوا ۔مقطع میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کی زمین کے تتبع کا مخلصانہ اظہار اسیؔر بدایونی نے یوں کیا:

ہوں مقلد میں رضؔا کا اس زمینِ نور میں
میں نے بھی جاگیر میں پایا علاقہ نور کا
دو جہاں میں رات دن یارب رضؔا کے ساتھ ساتھ
بہرِ ذوالنورین رکھنا ہم پہ سایا نور کا
نور کی بارش جھماجھم ہوتی آتی ہے اسیؔر
لو رضؔا کے ساتھ تم بھی بڑھ کے حصہ نور کا

مولانا یعقوب حسین ضیاء القادری بدایونی جنھوں نے اس محفل کا لطف اٹھایا تھا، لکھتے ہیں:

''کلام الملوک ملوک الکلام ، دو خدا رسیدہ عشاقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبی تاثرات نورانی فضاؤں میں گونجے۔بارہا یہ قصائد سنے اور یقیناً جذباتِ ایمانی تازہ ہوئے مگر آستانۂ عالیہ قادریہ کا وہ روحانی و کیف آفریں منظر بقول شخصے :'اک دھوپ تھی کہ ساتھ گئی آفتاب کے' دوبارہ نصیب نہ ہوا۔''(مجلہ بدایوں:1960ء)

ہر دو قصیدۂ نور کی شہرت و مقبولیت اکابر علما و مشائخ کی موجودگی، ان کی برکات، داد و تحسین اور دُعاؤں کے طفیل خانقاہِ عالیہ قادری بدایوں شریف کے عرس قادری میں موجود افراد کے ذریعے دور دور تک پہنچی۔طویل عرصہ تک اس روحانی محفل کی یادیں لوگوں کے دلوں میں تازہ رہیں اور یہ پر کیف منظر نگاہوں میں گھومتا رہا۔کہنے والے کہتے ہیں کہ بدایوں شریف کی محافل میں یہ دونوں قصائد بکثرت پڑھے جاتے رہے،اور جب جب پڑھے جاتے رہے خانقاہِ قادری کے عرس قادری کی اس یادگار روحانی محفل کو یاد کر کے روتے رہے۔ان دونوں قصیدوں کی مقبولیت کو دیکھتے ہوئے اس زمانے میں بیش تر شعرا نے اسی زمین میں طبع آزمائی شروع کر دی اور دیکھتے ہی دیکھتے بہت سارے قصیدے سامنے آ گئے لیکن جو مقبولیت عاشق صادق اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کے قصیدۂ نور کے حصے میں آئی وہ کسی اور کا حصہ نہ بن سکی؛ آخر ایسا کیوں نہ ہوتا کہ:

اے رضؔا یہ احمدِ نوری کا فیضِ نور ہے
ہوگئی میری غزل بڑھ کر قصیدہ نور کا

☆☆☆

اعلیٰ حضرت اور ردِّ بدعات

ازافادات: علامہ پیر محمد رضا ثاقب مصطفائی نقشبندی
(بانی ادارۃ المصطفیٰ انٹرنیشنل)
مرتب: وسیم احمد رضوی، مالیگاؤں (الہند)

خطابت کی بزم میں علامہ محمد رضا ثاقب مصطفائی کی گونج ہے۔موصوف عمدہ بولتے ہیں۔ انداز میں سادگی وسلاست ہے، روانی و چاشنی ہے۔ مصلح ومبلغ ہیں۔ داعی ومفکر ہیں۔فکر رضا کے سفیر ہیں۔ آپ کی بات دل میں اُترتی ہے۔من کی دُنیا میں انقلاب برپا کرتی ہے۔ اِس خطاب میں بڑے مصلحانہ انداز میں روشنی ڈالی ہے۔تعلیماتِ اعلیٰ حضرت کی اِک جھلک دکھا دی ہے۔ عام فہم انداز میں اصلاحی جہتوں کو اُجاگر کیا ہے۔ جسے تحریر کا پیرہن برادرم وسیم احمد رضوی نے زیب کرایا ہے۔ یادگارِ رضا کے صفحات پر اسے اس گزارش کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے کہ صالح افکارِ رضا کی ترویج سے معاشرتی تعمیر کا فریضہ انجام دیا جائے؛ تاکہ صحنِ حیات اسلامی تعلیمات کی روشنی سے جگمگا اُٹھے۔ مدیر

صالحین کا ذکر: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے اندر انبیا کا ذکر، ان کے متعلقین کا ذکر اور ان کی خوب صورت کہانیاں، ان کے تذکرے، اور حضرت یوسف علیہ السلام کا تذکرہ جس طرح کیا ہے اور پھر ان کے خواب سے لے کر کے ان کے تخت پر براجمان ہونے تک کی کہانی کو جس خوب صورتی سے بیان کیا گیا ہے اور اسے "احسن القصص" بتایا گیا ہے؛ کہ ایک خواب دیکھا تھا کہ سورج اور چاند ستارے میرے آگے سجدہ ریز ہیں؛ اور پھر اس خواب تک پہنچنے کے لیے چالیس سال کا عرصہ بیت گیا۔ اور چالیس سال کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام اور بھائی جب وہاں پہنچتے ہیں اور سجدہ ریز ہوتے ہیں تو پھر جنابِ یوسف کہتے ہیں یٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِیْلُ رُءْیَایَ مِنْ قَبْلُ (سورۃ یوسف:۱۰۰) میرے باپ یہ ہے وہ میرے خواب کی تعبیر جو مَیں نے بہت پہلے دیکھا تھا۔تو چالیس سال کے بعد اس تعبیر تک پہنچے؛ کا بیان آیا۔

مقصود کیا ہے یہ گفتگو کرنے کا؟ کہ صالح لوگوں کا ذکر کرنا سُنّتِ الٰہی ہے۔ اسی طرح حضور علیہ السلام کے اصحاب کا تذکرہ، آقا کریم کی عترت کا، آل کا ذکر کرنا، حضور کی اُمت کے ولیوں کا ذکر

کرنا اور مشاہیر علما کا ذکر؛ یہ معمول ہے اور ہمارے یہاں مروج ہے۔ اور یہ کوئی اچنبے کی بات نہیں ہے۔ یہ قرآن مجید ہی سے ہمیں اسلوب ملا ہے۔ بلکہ میرے حضور نے ارشاد فرمایا کہ: جب صالح لوگوں کا ذکر کرو تو میرے عمر کا ذکر بھی کیا کرو۔

تو اچھے لوگوں کا ذکر یقیناً ہمارے لیے غذاے روح ہے۔ بلکہ صالحین کو اولیاء اللہ کے لشکروں میں سے ایک لشکر قرار دیا گیا ہے۔ اس لیے خطبۂ جمعۃ المبارکہ کے موقع پر مَیں نے حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی تعلیمات کے حوالے سے کچھ باتیں آپ کے سامنے رکھی تھیں۔ اور آج مَیں جس ہستی کا ذکر کرنے جارہا ہوں؛ وہ برصغیر پاک وہند میں ایسی نرالی شان کی مالک ہے؛ کہ اللہ نے ان کے ذریعے سے وہ کام لیا جو انہیں کا مقسوم تھا۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو جن گونا گوں صلاحیتوں سے نوازا تھا اور جو کرم نوازیاں ان پہ بچپنے کی عمر ہی میں ہوئیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو جس کام کے لیے چُنا پھر وہ کام انھوں نے کر دکھایا۔ اس ہستی کا نام امام احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہے۔

اعلیٰ حضرت اور علمی کمال: آپ تیرہ سال اور کچھ ماہ کی عمر میں مروجہ علوم کی تکمیل کر لیتے ہیں۔ جب بچے گلیوں میں کھیل رہے ہوتے ہیں؛ اعلیٰ حضرت مسندِ تدریس پہ بیٹھے تھے۔ بچے گلیوں میں کھیل رہے ہیں اور وہ مسندِ ارشاد پہ بیٹھے ہیں۔ جب بچے گلیوں میں کھیل رہے ہوتے ہیں؛ اعلیٰ حضرت دارالافتاء میں بیٹھ کر فتویٰ لکھا کرتے تھے۔ آپ کے والدِ ماجد مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ؛ ان کے پاس کوئی فتویٰ لینے آیا تو آپ نے کہا دارالافتاء میں چلے جاؤ؛ وہاں مفتی صاحب بیٹھے ہیں؛ آپ کو فتویٰ لکھ دیں گے۔ وہ گئے؛ تو اعلیٰ حضرت کی عمر چودہ سال کی تھی؛ وہ واپس آگئے اور کہا کہ حضرت وہاں تو کوئی مفتی صاحب نہیں ہے۔ کہا کہ اندر ہی تو تھے۔ اُس نے کہا کہ اندر ایک بچہ بیٹھا ہوا ہے۔ آپ نے کہا کہ وہی تو ہمارے مفتی ہیں۔

چودہ سال کی عمر میں لوگوں کو فتاویٰ دے رہے ہیں۔ اور اللہ نے ان سے جو کام لیا اور جن جن شعبوں میں لیا؛ اللہ اکبر!...... دین کا کوئی شعبہ نہیں تھا جس میں اعلیٰ حضرت نے اپنی صلاحیتوں سے خدمت پیش نہیں کی ہو۔ کوئی فن اور کوئی علم ایسا نہیں تھا جس میں آپ کی یادگار تصنیف موجود نہیں۔ ایک ہزار سے زیادہ آپ کی تصنیفات ہیں۔ جو علما کے لیے ایک بہت بڑی سوغات ہے۔ ''فتاویٰ رضویہ'' جو آپ کے دیے ہوئے فتاویٰ جات کا مجموعہ ہے؛ یہ اب بتیس ۳۲ر مجلدات پر چھپ کر منظر عام پر آیا ہے۔ اور اس طرح آپ نے ایک ہزار کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ ایک ہزار سے زائد کتابوں کی تحقیق ہے۔ اور کئی طرح کے علوم وفنون پر اللہ نے مہارت عطا کی تھی۔ اور پھر جس سمت بھی آئے؛ سکے

بٹھا دیے۔

اللہ نے ان سے خاص طور سے فقہ پہ جو کام لیا ہے؛ وہ بھی ایک نادرِ روزگار کام ہے۔ اس زمانے میں اللہ نے یہ کام ان سے لیا اور جو تحقیقی فتاویٰ جات آپ نے لکھے؛ پھر اس طرح سے مدلل وہ فتاویٰ تھے کہ ان کے رد کی کسی میں ہمت نہیں پڑی۔ اور ان دلائل کا آج تک کوئی جواب نہیں دے سکا۔ اللہ نے یہ ان سے کام لیے۔

اعلیٰ حضرت نے جہاں دیگر بہت سارے امور پہ جہتوں میں اور شعبہ ہائے دین میں کام کیا ہے؛ وہاں آپ کا ایک بہت بڑا کام ''ردِ بدعات'' پر ہے۔ جو بدعتیں لوگوں کے نفس گھڑتے ہیں؛ ان کے رد پر اعلیٰ حضرت نے باقاعدہ کام کیا ہے۔ یہ آپ کی غیرتِ دینی تھی۔ اور آپ یہ گوارا نہیں کر سکتے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں کوئی اپنی خواہشات کو شامل کر دے۔ یہ خاص ایک شعبہ ہے؛ اور اس پر آپ کا کام بہت نمایاں ہے۔

کرامات اور تعلیمات: عمومی طور پہ جب ہم کسی بزرگ کا تذکرہ کرتے ہیں؛ تو اس بزرگ کی خصوصیات بیان کر دیتے ہیں یا اس بزرگ کی کرامات کے باب کو کھولتے ہیں اور لوگوں کے سامنے رکھتے ہیں کہ یہ بزرگ صاحبِ کرامت تھے۔ ان کو یہ یہ کرامتیں دی گئی تھیں؛ اور وہ لوگوں کو بیان کر دیتے ہیں۔ مَیں کرامت کا منکر نہیں ہوں؛ اور کرامت کا کوئی بھی منکر جو من حیث الکرامت کرامت کا انکار کرے وہ کافر ہوتا ہے۔ یہ بات ذہن میں رکھیں۔ کیوں کہ کرامت قرآن مجید سے ثابت ہے۔ آصف بن برخیا کا تختِ بلقیس لانا، حضرت مریم کے حجرے میں بے موسم پھلوں کا موجود ہونا؛ چوں کہ یہ نبی نہیں ہیں؛ ولی ہیں۔ اور ان کی یہ کرامات کہلائیں گی۔ تو اس کا انکار کفر ہوگا۔ ہاں! بزرگوں کی کرامات کا انکار کفر تو نہیں ہے لیکن محرومی ضرور ہے؛ ان کا اگر انکار کیا جائے۔

لیکن جس بات کی طرف مَیں آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ بزرگوں کی تعلیمات کو اختیار کرنے سے، ان کے راستے پہ چلنے سے ہم ان کی زیادہ برکات حاصل کر سکتے ہیں۔ کرامات کا بیان سنیں اور ان کی تعلیمات سے ناآشنا رہیں؛ تو ہم فائدہ نہیں پا سکتے۔ تو اس لیے یہ روش کہ صرف فضائل اور مناقب ہی بیان کیے جائیں اور ان کی تعلیمات کو چھوڑ دیا جائے تو لوگ بے عملی کی طرف راغب ہو جائیں گے۔ اقبالؔ نے اپنے زمانے میں کہا تھا؎

محکوم کو پیروں کی کرامات کا سودا
ہے بندۂ آزاد خود اک زندہ کرامات

اس لیے ان کی تعلیمات کو اختیار کر کے خود ایک زندہ کرامت بننا چاہیے۔ اور ان کی تعلیمات کو اختیار کر کے باطنی امراض کا علاج کرنا چاہیے۔ باقی اگر اس باب کے اندر بھی اعلیٰ حضرت کو دیکھیں؛ تو ان کی بہت ساری کرامات موجود ہیں۔

شدت اور تقاضا: اچھا اعلیٰ حضرت کے حوالے سے عمومی طور پہ جو چیز بہت زیادہ شہرت پا گئی؛ وہ یہ تھی کہ وہ طبعاً بہت زیادہ سخت تھے۔ تو طبع میں سختی ہو بھی سکتی ہے۔ لیکن اعلیٰ حضرت نے جو فتاویٰ جات دیے ہیں وہ طبعی شدت کی وجہ سے نہیں دیے ہیں بلکہ شریعت کا تقاضا تھا کہ یہ فتویٰ بنتا تھا تو وہ دیے۔ تو یہ بات کر کر کے اور یہ جو انداز اختیار کر کے کہ وہ شدت پسند تھے اور ان کے مزاج میں شدت اور سختی تھی؛ تو ان کے کام کو داغ دار کرنے والی بات ہے۔ کہ اس کا مطلب ہے کہ وہ طبعاً اتنے سخت تھے کہ جو بھی سامنے آتا تو اس کے اوپر سخت گیر حکمِ شرعی لگا دیتے۔ کیسے لگا سکتے؟ کہ جب کوئی حکم لگتا نہیں تھا۔ تو یہ وہ شخص کہتا ہے کہ جس نے اعلیٰ حضرت کے فتاویٰ جات کو پڑھا نہیں ہے۔ فتاویٰ جات سنے ہیں؛ ان کے پیچھے جو دلائل تھے ان کو نہیں دیکھا۔ تو اُس نے یہ کہہ دیا کہ وہ فتویٰ کا لہجہ بہت سخت رکھتے تھے۔ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ آپ نے جو بھی بات کی ہے دلیل سے کی ہے۔ اور دلائل کے انبار لگا دیے ہیں۔ قرآن مجید کی آیات سے اور احادیث طیبہ سے۔ تو یہ ان کے مزاج کا شاخسانہ نہیں ہے، بلکہ قرآن اور احادیث کی تعلیمات کا نتیجہ تھا کہ جس نے جو کیا ہے اس پر جو حکمِ شرعی لگتا تھا وہ انہوں نے نافذ کر دیا۔ اور جو اہلُ اللہ ہوتے ہیں ان کی جو سختی ہوتی ہے وہ دین کے لیے ہوتی ہے۔ آپ دیکھیے! اللہ کے محبوب علیہ السلام نے ساری زندگی سختی تو نہیں کی ہے؛ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لہجہ اتنا نرم تھا، انداز اتنا نرم تھا کہ دیکھنے والا تھا۔ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ۔ (سورۃ آل عمران: ۱۵۹) اور لوگوں نے پتھر بھی مارے، اوجھڑیاں بھی ڈالیں، کیا کچھ نہیں ہوا۔ لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ماتھے پہ شکن بھی نہیں آیا؛ کوئی بات نہیں ہے۔ لیکن جب ذات باری تعالیٰ کی بات آئی ہے، غیرتِ توحید کی بات آئی ہے تو پھر حضور کے تیور دیکھنے والے تھے۔

ایک جنگ میں نمازِ ظہر قضا ہو جاتی ہے۔ اللہ اکبر!...... اللہ کے لیے پڑھی جانے والی نماز قضا ہو گئی ان لوگوں کی وجہ سے؛ تو پھر حضور کے ہاتھ اُٹھتے ہیں۔ جس محبوب نے ساری زندگی کسی کو بد دعا نہیں دی ہے۔ آج حضور کے ہاتھ اُٹھتے ہیں۔ اے اللہ! ان کے پیٹوں میں آگ بھر دے۔ کہ ان کی وجہ سے تیری نماز، تیرے حضور جو ہم نے سجدہ ریزی کرنی تھی؛ وہ قضا ہو گئی۔ تو وہ جو شدت ہے؛ وہ دین کے لیے ہے۔ طبع کا نتیجہ نہیں ہے؛ بلکہ شریعت کا تقاضا تھا۔ اور اس تقاضے کے تحت آپ نے بھی

ایسی بات کہی۔

ردِّ بدعات: اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام اہلِ محبت امام الشاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی نے بدعات کے رد میں باقاعدہ کام کیا ہے۔ اور آپ کے پاس زیادہ تر استفتا آتے تھے اور اس طرح کے سوال جواب سے پوچھے جاتے۔ تو آپ پوری شدت کے ساتھ شریعت کا جو حکم ہوتا وہ اس کے اوپر نافذ کرتے۔ اور وہ حکم بتاتے اور کہتے کہ یہ اس کا حکم ہے۔ مختلف زبانوں میں مختلف لوگوں نے مختلف سوال پوچھے۔ وہ بہت سارے نمونے آپ کے فتاویٰ جات میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ کسی نے کچھ پوچھا کسی نے کچھ پوچھا تو آپ نے ان کی نفی کی۔

آخری بدھ: صفر المظفر کا آخری بدھ؛ جسے آخری چہار شنبہ کہتے ہیں؛ عمومی طور پہ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اللہ کے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس دن غسل (صحت) فرمایا تھا اور ایک طبعی مرض سے شفا پائی تھی؛ اور پھر اس کے بعد حضور کا وصال ہوا تھا۔ تو آج کچھ لوگ اس دن میں اہتمام کرتے ہیں۔ چنے تقسیم کرتے ہیں، کھانے تقسیم کرتے ہیں اور اس دن غسل کرتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت سے جب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ اس دن تو مرضِ پاک کا آغاز ہوا تھا۔ مرض! حضور کو سلامی دینے آئے تھے۔ اور یہ کہتے ہیں کہ اس دن حضور شفایاب ہوئے تھے۔

ضعیف الاعتقادی: اسی طرح اور بہت سارے امراض سے بچاؤ کے لیے نظر بد سے اور دیگر چیزوں سے اور سائے سے بھوت پریت سے بچنے کے لیے لوگ کے مختلف ٹونے اور ٹوٹکے ہوتے ہیں۔ مختلف رنگوں کے دھاگے اپنے ہاتھوں کے ساتھ باند لیتے ہیں۔ یہ ہندوانہ رسمیں ہیں۔ چوں کہ ہم جس معاشرت میں رہ رہے ہیں؛ اس معاشرے میں ایک طویل عرصہ ہم ہندوؤں کے ساتھ گزارتے آئے ہیں اور بہت ساری ضعیف الاعتقادیاں ابھی تک ہمارے اندر موجود ہیں۔ اور یہ کسی نے امام ضامن باندھ لیا، کسی نے دھاگا باندھ لیا، کسی نے نئی گاڑی خریدی تو اس کے پیچھے ٹوٹا ہوا جوتا باندھ لیا کہ گاڑی کو نظر نہ لگے۔ مَیں نے دیکھا ہے کہ بڑے بڑے سمجھ دار لوگوں کی گاڑیوں میں بھی پیچھے جوتے بندھے ہوئے ہیں۔ اسی طرح گھوڑے کے پاؤں کے نیچے جو کُھری ہوتی ہے؛ تو کچھ لوگ اسے مقدس سمجھتے ہیں اور اس کُھری کو پتا نہیں کسی سے دم کروا کے اپنے گھروں کی چوکھٹ یا کہیں لگاتے ہیں کہ اس سے برکت ہوگی۔ جو گھوڑے کے پاؤں تلے گندگی کو روندتی کُھری ہے؛ اس میں غلاظت تو آسکتی ہے؛ اس میں برکت کیسے آسکتی ہے۔ تو اس طرح کی چیزیں اُس دور میں لوگوں کے اندر میں مروج تھیں۔ اور آج بھی بعض جہلا کے اندر ایسی چیزیں مروج ہیں۔ اور اس طرح کی چیزیں لوگ اندر رکھتے ہیں۔ ......لال کافر

کے بارے میں اعلیٰ حضرت سے پوچھا گیا کہ کیا حضرت علی نے اس کو مارا تھا؟ اور وہ پھر سال کے بعد اُٹھتا ہے اور چیختا ہے کہ کیا قیامت آ گئی ہے؟ یا نہیں آئی ہے؟ اسے بتایا جاتا ہے کہ نہیں آئی؛ تو پھر وہ دوبارہ وہاں لیٹ جاتا ہے۔ پھر سال کے بعد اٹھتا ہے۔ کچھ لوگ اس پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت سے پوچھا گیا تو فرمایا کہ کوئی ایسی کہانی ہی نہیں ہے۔ اسی طرح اور بہت سارے قصے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے، سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حوالے سے بہت سارے (فرضی) قصے موجود ہے۔ ہمارے گھروں کے اندر ''دس بیبیوں کی کہانی'' پڑھی جاتی ہے۔ اور اسی طرح بعض جگہ پہ ''حضرت علی المرتضیٰ کا معجزہ'' پڑھا جاتا ہے۔ صاحب! معجزہ تو ولی کا ہوتا ہی نہیں ہے۔ معجزہ تو ہوتا ہی نبی کا ہے۔ لیکن وہ پڑھا جاتا ہے۔ اچھا! اُس میں ایسی ایسی خرافات ہیں کہ یہ جو دس بیبیوں کی کہانی پڑھی جائے گی اس میں وہ چیز تقسیم کی جائے گی جس کے نام میں تانیث ہو۔ یعنی برفی تقسیم کی جائے گی۔ جلیبی تقسیم کی جائے گی۔ اس میں لڈو تقسیم نہیں کیا جائے گا کیوں کہ لڈو مذکر ہوتا ہے۔ تو برفی چوں کہ یہ تانیث کے صیغے کے ساتھ ہے۔ حالاں کہ کئی ایسی چیزیں ہوتی ہیں جو اردو میں تانیث کے ساتھ بولی جاتی ہے؛ عربی میں یا دوسری زبانوں میں بطورِ تذکیر استعمال ہوتی ہیں۔ اس طرح پھر وہ لوگ مردوں کو نہیں دیتے کہ یہ برفی ہے اور یہ دس بیبیوں کی کہانی ہے اس کا تبرک مرد نہیں کھا سکتے۔ اور جو حضرت علی المرتضیٰ کے حوالے سے ہیں تو وہ عورتیں کھا لیتی ہیں؛ جب کہ اس طور پر نہیں کھانا چاہیے!......تو یہ عجیب کہانی ہے اور یہ آج بھی ہمارے معاشرے میں مروج ہے۔ اعلیٰ حضرت نے بڑی شدت سے، بڑی سختی کے ساتھ ان ساری چیزوں کی تردید کی ہے اور ان ساری چیزوں کی نفی ہے۔

عورتیں اور مزارات کی حاضری: اسی طرح خواتین کے اور بہت سارے مسائل ہیں۔ مزارات پہ خواتین کا جانا یہ محرم کا موسم آتا ہے؛ بسوں کی بسیں بھر کے یہ عورتیں سلطان باہو جا رہی ہیں، یہ فلاں دربار پہ سلامی دینے جا رہی ہے۔ اور وہ بھی بغیر محرم کے، بغیر محارم کے خواتین جا رہی ہیں۔ حالاں کہ محرم کے بغیر خاتون حج بھی نہیں کر سکتی؛ جو اللہ کی طرف سے فرض ہے اس کے اوپر۔ اگر اس کے پاس پیسے بھی ہیں، رقم بھی ہے، صحت بھی ہے، فرصت بھی ہے۔ اور وہ کسی اور کو بھی اپنی خدمت کے لیے کسی مرد اور کسی خاتون بلکہ آٹھ دس لوگوں کو بھی اپنے ساتھ لے جا سکتی ہے؛ لیکن اس کا محرم کوئی نہیں ہے؛ تو وہ حج ہی نہیں کرے گی۔ اللہ اکبر!

ایک خاتون کا مجھے فون آیا؛ وہ کہنے لگی کہ مَیں عمرے پہ جانا چاہتی ہوں اور میرا محرم نہیں ہے تو کسی کے ساتھ چلی جاؤں؟ تو مَیں نے کہا کہ نہ! آپ نہیں جائیں گی۔ تو اس نے کہا کہ سرکار صلی اللہ علیہ

وسلم کا روضہ دیکھنے کو بڑا جی کرتا ہے۔ مَیں نے کہا سرکار نے ہی منع کیا ہے۔ جن کا روضہ دیکھنے کو جی کرتا ہے؛ انہیں نے منع کیا ہے۔ ایک صاحب آئے مدینہ شریف سے تو ہاتھ میں کڑا ڈالا ہوا تھا۔ وہاں سے لوگ کڑے لے آتے ہیں چاندی کے اور لوہے کے۔ تو انہوں نے باقاعدہ ہاتھ میں کڑا ڈالا ہوا تھا۔ مَیں نے کہا کہ یہ تم نے کیا کیا؟ یہ تو مردوں کے لیے تو حرام رکھا گیا ہے۔ سونا بھی، (اتنی مقدار میں) چاندی بھی، لوہا بھی، پیتل بھی۔ یہ کڑے، شڑے یہ سب مرد نہیں پہنتے۔ یہ تم نے کیا پہنا ہوا ہے؟ تو وہ کہنے لگا کہ یہ مدینہ شریف سے آیا ہوا ہے۔ مَیں نے کہا مدینے والے آقا صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے تو اس کو منع کیا ہے۔

تو اس عقیدت سے کہ یہ مدینہ شریف سے آیا ہے؛ اسی طرح درباروں پہ جا کے مزاروں پہ جا کے بَھنگ پی جاتے ہیں کہ فلاں بابے کی بَھنگ ہے؛ تو یہ بھنگ بابے کی ہو یا ملنگ کی ہو؛ بھنگ تو بھنگ ہی ہوتی ہے۔ تو اس طرح مختلف مزارات پہ جا کر کے کوئی چیزیں جائز نہیں ہو جاتیں۔ جو چیزیں یہاں حرام ہیں مدینہ شریف میں وہ زیادہ حرام ہیں۔ اللہ والوں کی صحبت میں جا کے وہ زیادہ حرام ہیں۔ ان کو اور زیادہ خیال رکھنا چاہیے۔ اس لیے کہ وہاں جب جائیں گے تو اس دربار کا احترام بھی تمہارے اوپر لازم ہے اور بھنگ گھوٹ کے پی رہے ہو! اور اسی طرح کے نعرے لگا رہے ہو۔ اور جب مستی چڑھ جاتی ہے اور چکر آنے لگ جاتے ہیں تو اس کو سمجھتے ہو تم کہ ہم رب سے ہم کلام ہو رہے ہیں!...... معاذ اللہ! استغفر اللہ!

تو یہ ساری خرافات ہیں؛ جو قوم کے اندر مِن حیث القوم موجود ہے۔ اور انہیں خرافات کا نتیجہ ہے یہ کہ جو بھی کوئی دعویٰ لے کر کھڑا ہوتا ہے؛ لوگ اس کے پیچھے چل پڑتے ہیں۔ یہ مختلف عاملین، مختلف ملنگ اور مختلف شریعت کے باغی؛ یہ لوگ معاشرے کے اندر پنپتے ہیں اور ان کے گرد ایک دم لوگوں کا ہجوم جمع ہو جاتا ہے۔ اور مجھے سب سے زیادہ دُکھ اس وقت ہوتا ہے جب یہاں کوئی جمعۃ المبارک پڑھنے والا یا پیر شریف کی محفل میں آنے والا؛ یا ہمارے ساتھ وابستہ کوئی شخص؛ اس کے بارے میں مَیں سُنوں کہ وہ کسی ملنگ کے پاس گیا۔ مَر جاؤ! لیکن ان کے پاس مت جاؤ۔ اس لیے کہ یہ جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے باغی ہیں؛ ان کے پاس جانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ ...... یہ ایک بہت بڑی دردناک صورتِ حال ہے کہ ہمارے معاشرے میں ضعف الاعتقادی پائی جاتی ہے اور جس کا نتیجہ یہ ہوتا یہ کہ لوگ ایسے لوگوں کے پاس جاتے ہیں۔

طریقت اور تصوف کا حقیقی چہرہ: اسی طرح طریقت کا جو معیار ہے۔ اعلیٰ حضرت نے اس پر بھی

بات کی ہے۔ اصلاح کی ہے اور زور دیا ہے۔ باقاعدہ چار شرائط رکھی ہیں پیر کے لیے۔ حالاں کہ ماضی کے اندر ہمارے اسلاف نے تو بڑا ہی زور دیا تھا۔ حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمۃ تو فرماتے ہیں کہ پہلے سندِ حدیث ہو۔ پھر اس کے بعد طریقت کا سفر طے کیا ہو۔ اور باقاعدہ کسی شیخ کی صحبت پائی ہو۔ اور اس سے اجازت و خلافت ہو تو پھر اسے حق پہنچتا ہے کہ وہ مسندِ ارشاد پہ بیٹھ کے کسی کو وعظ و تلقین کرے اور اس کی روحانی رہنمائی کرے۔ حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ کم از کم یہ شرائط پائی جائے۔ اور اس سے بھی پیچھے چلے جائیں اور اس کے بعد بھی کئی صوفیا نے کہا ہے کہ: اتنی دیر تک حق ہی نہیں ہے کسی کو طریقت میں داخل کرنے کا کہ جب تک وہ لوحِ محفوظ پہ نظر نہ رکھتا ہو کہ یہ شقی ہے یا سعید ہے۔ اگر وہ شقی ہے تو اس کی شقاوت کو پہلے سعادت میں بدلے پھر طریقت میں داخل کرے۔ تو یہاں تک ماضی میں شرائط تھیں۔ حضور غوث اعظم نے بارہ شرائط لگائی ہیں؛ مسندِ مشیخیت کے اوپر بیٹھنے کے لیے۔ اس طرح مختلف ادوار کے اندر مختلف بزرگوں نے مختلف شرطیں لگائی ہیں۔ اپنے اپنے ادوار کے مطابق۔ لیکن یہ دور؛ جس میں ہم ہیں؛ اعلیٰ حضرت نے صرف چار شرطیں لگائی ہیں۔ پہلی شرط کہ اس کا سلسلہ متصل ہو جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تک۔ کہ وہ بغیر اجازت کے مسند پہ نہ بیٹھا ہو۔ بلکہ اس کا دست بدست سلسلہ حضور علیہ السلام تک پہنچتا ہو۔ ایک تو شرط یہ ہے۔ دوسری شرط آپ نے یہ لگائی کہ فاسقِ معلن نہ ہو۔ اعلانیہ فسق نہ کرنے والوں میں ہو۔ متقی ہو، تقویٰ شرط ہے اس کے لیے۔ چوں کہ یہ راستہ خیر کا راستہ ہے نہ۔ تو اگر خود فاسقِ معلن ہوگا اعلانیہ فسق کرے گا، شریعت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے باغی ہوگا؛ پھر وہ اس قابل نہیں ہے کہ وہ مسندِ مشیخیت کے اوپر بیٹھے۔ اور تیسرا فرمایا کہ وہ عالم ہو عالم۔ اپنی ضرورت کے مسائل کتب سے نکال کر کے معلوم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اور اگر یہ اس کے اندر صلاحیت نہیں ہے تو پھر وہ کس طرح کسی کی رہنمائی کرے گا! اور آج اس دور میں دیکھ لیجیے؛ اگر صرف انہیں معیارات پہ پرکھیں گے جو اعلیٰ حضرت نے ہمیں بتائے ہیں؛ تو انہیں معیارات پر کتنے لوگ فارغ ہو جائیں گے۔ اور آپ نے چوتھا معیار یہ بیان فرمایا بلکہ وہ بنیادی ہے کہ صحتِ عقیدہ رکھتا ہو۔ (سُنّی صحیح العقیدہ ہو۔) اس کے عقیدے میں صحت ہو۔ وہی عقائد جو ہمارے اسلاف کے؛ ہمارے بزرگوں کے عقائد تھے۔ بہت سارے لوگ تو یہاں فارغ ہو جاتے ہیں۔ اس لیے کہ ان کے عقائد روافض کے عقائد ہوتے ہیں۔ پھر اس کے بعد فاسق معلن: اعلانیہ فسق کرنے والے، شریعت کے باغی، بغیر حجاب کے خواتین سے ملاقات کرنے والے اور مرد و زَن سے اختلاط کرنے والے، اس کے بعد پھر علم سے تو واسطہ ہی نہیں؛ بلکہ وہ تو سیدھا سیدھا کہتے ہیں کہ: اپنی اور مولوی کی کبھی لگی ہی

نہیں۔تو کیوں لگے گی آپ کی اور مولوی کی؟ کیوں کہ علما شریعت کا راستہ بتاتے ہیں اور تم شریعت سے بغاوت سکھاتے ہو۔ اور جو سچا صوفی ہوتا ہے وہ سچا عالم بھی ہوتا ہے۔ وہ شریعت کا پہرے دار بھی ہوتا ہے اور وہ شریعت کا نوکر بھی ہوتا ہے۔ پھر اس کا سلسلہ حضور تک متصل ہو۔ یہ چوتھی شرط ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ایسے لوگ، ان کو کون اس مسند پہ بٹھا کے گیا ہے؟ تو وہ از خود براجمان ہو گئے ہیں۔ اور وہ پہلے تو ہوتا تھا نہ ''سجادہ نشین''؛ مَیں نے اس سے پہلے بتایا تھا عربی میں سجادہ ''مصلے'' کو کہتے ہیں۔ کہ اپنے باپ کے مصلے پہ بیٹھ جائے وہ معمولات اختیار کرے۔ تو اب سجادہ نشین تو نہیں ہیں اب تو گدی نشین ہیں۔ اور وہ اس گدی پہ بیٹھ گئے ہیں۔ اور کمائی کا ایک ذریعہ ہے۔ بڑا سا گلّہ رکھ لیے ہیں۔ جتنا بڑا دربار بنالو گے اتنا کاروبار بڑا چل جائے گا۔ اسی لیے یہ دوڑ لگ گئی ہے۔ یہ باتیں تلخ ہوں گی لیکن حقیقت پر مشتمل ہیں۔ آپ دائیں بائیں نظر اُٹھا کر کے دیکھو؛ جنہیں شریعت کے بنیادی مسائل بھی نہیں آتے؛ وہ مسندِ مشیخیت پہ بیٹھے ہیں۔ جنہیں طہارت کے مسائل بھی نہیں آتے، ظاہری طہارت کے؛ وہ لوگوں کا دل پاک کرنے کی ذمہ داری لیے بیٹھے ہیں۔ جنہیں بدن کی طہارت کے اسلوب سے بھی آ گہی نہیں ہے؛ وہ دل صاف کیسے کریں گے؛ جنہیں بدن صاف کرنا نہیں آتا۔ جن کا سلسلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک اپنا متصل نہیں ہے تو وہ ہاتھ پہ ہاتھ لے کر کے کسی کا؛ اس کو حضور کی دہلیز تک کیسے پہنچائیں گے۔ جو خود فاسقِ معلن ہیں؛ اعلانیہ فسق کرنے والے ہیں تو وہ کس طرح کسی کو شریعتِ اسلامیہ کا خوگر اور عادی بنائیں گے۔ تو اعلیٰ حضرت نے تصوف کا جو حقیقی چہرہ تھا وہ لوگوں کے سامنے رکھا۔ جو بدعات، منکرات اور خرافات تھیں ان سے لوگوں کو بچانے کی کوشش کی۔ اور لوگوں کو صحیح راستہ دکھایا۔

مزارات پر حاضری، طواف وسجدۂ قبور: اسی طرح آدابِ شرع بتائے۔ مزارات پہ حاضری کے آداب بتائے۔ کہ وہاں جا کر کے قبر کو چومنا بھی نہیں ہے، سجدہ بھی نہیں کرنا۔ فرمایا: طوافِ قبور اور سجدۂ قبور بالاتفاق حرام ہے۔ کوئی بھی اس کو حلال نہیں کہتا۔ جائز نہیں کہتا۔ اس کے جواز کا چودہ صدیوں میں ایک عالم بھی قائل نہیں رہا۔ طوافِ قبور بھی حرام ہے اور سجدۂ قبور بھی حرام ہے۔ زیارتِ قبور بالاتفاق جائز ہے۔ قبروں کی زیارت کرنا اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے۔ سارے کہتے ہیں قبروں پہ جانا چاہیے۔ اور قبروں کی زیارت کرنی چاہیے۔ یہ دو مسئلے؛ ایک بالاتفاق حرام؛ یعنی سجدۂ قبور اور طوافِ قبور بالاتفاق حرام۔ اور زیارتِ قبور، حاضریِ قبور بالاتفاق جائز۔ درمیان میں آ گیا بوسۂ قبور؛ یعنی قبر کو چومنا۔ تو کہا قبر کو چومنا مختلف فیہ ہے۔ اس میں اختلاف ہے۔ بعض علما کا خیال ہے کہ چومنے میں کوئی حرج نہیں۔ ان کی دلیل حضرت بلال حبشی کا عمل ہے۔ جب وہ حضور کے وصال کے بعد شہرِ مدینہ چھوڑ

گئے تھے۔ کہتے تھے کہ ان گلیوں میں اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نظر نہیں آتے۔ حضور کے وصال کے بعد تو ایک قیامت بپا ہوگئی تھی نہ صحابہ پر! حضرت سیدہ فاطمہ بولیں ؂

صبت علیَ مصائب لو انھا

صبت علی الایام صرن لیالیا

میرے اوپر مصیبتوں کے وہ پہاڑ ٹوٹ پڑے ہیں؛ اگر دنوں پہ پڑتے تو دن کالی راتیں بن جاتے۔ اللہ اکبر!...... حضرت حسان ابن ثابت کہتے ہیں کہ کاش! مجھے کالا سانپ کاٹ جاتا۔ اور اتنا گہرا ڈنک لگاتا کہ مَیں دوسری سانس نہ لیتا۔ حضرت عمر تلوار لیے کھڑے تھے کہ کسی نے کہا کہ حضور کا وصال ہوا ہے؛ مَیں گردن کاٹ لوں گا۔ ایسی سکتے کی کیفیت ان پر طاری تھی۔ عجیب عالم تھا۔ وہ دراز گوش جس کے اوپر حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) سواری کیا کرتے تھے؛ وہ قبیلہ بنو سُلیم کے کنویں میں چھلانگ لگا کے جان کی بازی ہار دیتا ہے کہ حضور چلے گئے ہیں؛ ہم نے جی کے کیا لینا ہے۔ وہ اونٹنی؛ جو حضور کی سواری تھی وہ سیدہ فاطمہ کے دروازے پہ سر رکھ کے باقاعدہ روتی تھی۔ اور رو رو کے اندھی ہوگئی تھی۔ لوگوں نے پھر اس کی آنکھوں پہ پٹی باندھ دی تھی۔ وہ نابینا ہوگئی تھی رو رو کے۔ لوگ چارہ دیتے تھے چارہ نہیں کھاتی تھی۔ حضور کی جدائی کا غم اور صدمہ اسے نڈھال کیے ہوئے تھا۔ حضرت عبداللہ بن زید اپنے باغ میں پانی دے رہے ہیں؛ کسی نے جا کے کہا کہ حضور کا وصال ہوگیا ہے۔ انہوں نے ہاتھ اُٹھایا **اللّٰھم اذھب بصری حتیٰ لا اریٰ بعد حبیبی محمد احدا**۔ اے اللہ! میری آنکھوں کی بینائی اُچک لے۔ یہ آنکھیں اس لیے روشن تھیں کہ تیرے محبوب کو دیکھتا تھا۔ اب حضور ہی چلے گئے ہیں تو مَیں نے آنکھوں کے دِیے کیا کرنا ہے؟ تو ان کی آنکھوں کی روشنی اُٹھالی گئی۔ کسی نے جا کے افسوس کیا؛ کہ بڑا افسوس ہے کہ تم نابینا ہوگئے ہو۔ آپ نے کہا کہ تمہیں افسوس ہوگا مجھے تو نہیں۔ مَیں نے تو آنکھیں رکھی ہی حضور کو دیکھنے کے لیے تھی۔

تو وہ بڑا منظر تھا۔ حضور کے وصال کے بعد صحابہ کے درد کا۔ قیامتیں ٹوٹ گئی تھیں۔ مدینے کی گلیوں کے اندر صحابہ روتے تھے۔ اور حضرت بلال حبشی تو پھر حضور کی محبت میں فریفتہ، حضور کے خازن، حضور کے مؤذن۔ حضور علیہ السلام؛ جو بھی رقم ہوتی جو بھی پیسہ ہوتا وہ بلال حبشی کو دیتے؛ لو تم جانو اور گھر کا سامان جانے۔ حضور کے خازن بھی تھے۔ اور حضور کے مؤذن بھی تھے۔ حضور کے خادم بھی تھے۔ اب حضور چلے گئے ہیں تو یہ شہر ہی چھوڑ گئے ہیں۔

شام کا شہر ہے ''داریہ'' وہاں جا کے انہوں نے سکونت اختیار کر لی۔ حضرت عمر کے زمانے

میں حضور خواب میں ملے حضرت بلال حبشی کو۔ اور کیا کہا؟ ما هٰذه الجفوة یا بلال! ما آن لك أن تزورنا؟ بلال! یہ کیا بے وفائی؟ یار ہو کے ملنے بھی نہیں آتے ہو؟ بس پھر بلال پر قیامت ٹوٹ گئی۔ اُٹھے، اپنی تیز رفتار سواری پہ بیٹھے اور دن رات سفر کرتے ہوئے مدینے پہنچے۔ اور جب مدینہ پہنچے؛ تو اب جو مَیں عرض کرنے لگا ہوں؛ حدیث کے لفظ ہیں و مرغ وجهه علیٰ قبر رسول الله صلی الله علیه و اله وسلم۔ ابنِ عساکر نے اس کو لکھا ہے۔ تاریخ کی کتاب ہے ابن عساکر۔ اور مَیں سمجھتا ہوں کہ یہ کتاب شاید سب سے بڑی کتاب ہو۔ میرے پاس ساری کتاب تو نہیں ہے کتاب کا خلاصہ مَیں نے خریدا تھا۔ چالیس جلدوں پر ہے۔ کتاب کا جو خلاصہ ہے وہ چالیس جلدوں میں ہے۔ میرے خیال سے ایک لاکھ بیس ہزار روپے میں اب اس کا خلاصہ آ رہا۔ اور اگر وہ کتاب ہو تو وہ کتنی بڑی ہوگی؟ جو اس کو شارٹ کر کر کے خلاصہ بنایا ہے۔ تو اس میں یہ واقعہ موجود ہے۔ کہ حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ آئے و مرغ وجهه علیٰ قبر رسول الله صلی الله علیه وسلم۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روضۂ انور پہ، حضور کی قبرِ انور کی مٹی پہ اپنا رُخسار ملتے تھے۔

تو جنہوں نے چومنے کا جواز ثابت کیا ہے؛ وہ حضرت بلال کے عمل سے کیا ہے۔ اسی طرح مروان بن حکم آیا مدینہ منورہ میں؛ تو اس نے دیکھا کہ حضور کے روضۂ انور پہ کوئی شخص بازو پھیلا کے حضور کے روضۂ انور کو چوم رہا ہے۔ حضور کی قبر شریف کو چوم رہا ہے۔ اپنے رُخسار رگڑ رہا۔ تو اس نے جھڑکنے کے انداز میں کہا: کون ہے؟ تو وہ جو چوم رہا تھا نہ! وہ بھی کوئی معمولی شخص نہیں تھا۔ اس نے سر اُٹھا کے کہا: مَیں کسی پتھر کو نہیں پوج رہا۔ اپنے آقا کی قبر کو چوم رہا ہوں۔ تو جب وہ بولا تو مروان کو پتا چلا کہ یہ کون ہے؛ فاذا هوا الشیخ ابو ایوب الانصاری! یہ صحابیِ رسول، میزبانِ رسول حضرت ابو ایوب انصاری ہیں۔

تو یہ دو واقعات ہیں۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ اس سے ثابت ہوا کہ یہ صحابہ کا عمل ہے؛ تو چومنا جائز ہے۔ بعض نے کہا کہ نہیں۔ جب کوئی چوم رہا ہو تو شک پڑتا ہے کہ سجدہ ریز نہ ہو رہا ہو تو اس لیے احتیاط لازمی ہے۔ یہ علما کے مابین اختلاف ہے۔ اعلیٰ حضرت کا اپنا موقف کیا ہے؟ آپ فرماتے ہیں؛ احوط یہ ہے کہ نہ چوما جائے۔ احتیاط اسی میں ہے کہ نہ چوما جائے۔ میرا خیال یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت نے جو کہا وہ درست کہا۔ اور ان دو اصحاب نے جو چوما اس کی کیا وجہ تھی؟ کہ ایک مدت کے بعد یہ آئے تھے۔ حضرت بلال حبشی اور ان کی کیفیت تھی۔ اگر کوئی اس کیفیت میں ہو تو اس کا حکم اور ہے۔ لیکن اگر آپ

عام حالت میں ہوں؛ تو پھر یہی ادب ہے کہ آپ پیچھے ہٹ کے کھڑے ہوں، سلام پیش کریں، فاتحہ پڑھیں اور واپسی۔

اعلیٰ حضرت نے یہ سب کچھ واضح کر دیا۔ پھر خواتین کے حوالے سے پوچھا گیا کہ: ان خواتین کو مزارات پہ جانا چاہیے یا نہیں جانا چاہیے؟ تو بڑا سخت موقف دیا۔ کہا تم یہ پوچھتے ہو؛ مجھ سے یہ پوچھو کہ جانے والی عورتوں پہ لعنتیں کتنی پڑتی ہیں۔ یہ نہ پوچھو کہ جانا چاہیے یا نہیں جانا چاہیے۔ تو اگر محارم کے بغیر خواتین جاتی ہیں، بے پردہ جاتی ہیں، وہاں پہ اختلاطِ مرد وزَن ہوتا ہے۔ تو یہ موجب لعنت ہے۔ جن لوگوں نے خواتین کے جانے کا جواز بیان کیا ہے اور کہا کہ جو حضور نے اجازت دی تھی اس میں خواتین بھی شامل ہیں؛ تو انہوں نے بھی شرائط پہ اجازت دی ہے۔ اور وہ شرطیں ہیں کہ وہاں اختلاطِ مرد وزَن نہ ہو۔ عورتیں محارم کے بغیر نہ ہوں۔ پردے کے بغیر نہ ہوں۔ اور وہاں جزع فزع نہ کریں؛ آہ و بقا نہ کریں۔ یہ چار شرطیں پائی جائیں تو پھر کم از کم جائز ہوتا ہے؛ ضروری نہیں ہوتا۔ اور اگر یہ چار شرطیں نہیں ہیں؛ اِن میں سے کوئی ایک بھی کم ہے تو پھر عورتوں کو نہیں جانا چاہیے۔ ......تو یہ اعلیٰ حضرت نے ہمیں پاکیزہ، ستھرا، نکھرا ہوا مسلک دیا ہے۔ اب ہمارے جہلا سُنّی کہلانے والے، مسلمان کہلانے والے اگر قبروں پہ جا کے اگر سجدہ ریز ہوں یا ماتھے رگڑیں یا اس طرح کے غیر شرعی امور بجالائیں، یا اپنے ہاتھوں پہ دھاگے باندھتے پھریں یا اپنی گاڑیوں پہ جوتے باندھیں، یا جانوروں کی کھریاں باندھیں، یا وہ ملنگوں کے پاس بیٹھے ہوں اور بھنگ کو گھوٹ گھوٹ کے پی رہے ہوں، اور متعفن اور بدبو دار لوگوں کو اپنا ہادی یارہ نما سمجھتے ہوں؛ تو یہ ان کی اپنی اُفتادِ طبع ہے؛ **نہ یہ دینِ رسول کی تعلیم ہے اور نہ یہ مسلکِ اعلیٰ حضرت کا پیغام ہے۔** اس لیے کہ اعلیٰ حضرت نے تو ان کی تردید کی ہے۔ اور سختی سے تردید کی ہے۔ اور بہت سارے امور ہیں؛ جن پر بحث کی جا سکتی ہے لیکن وقت کے دامن میں اتنی گنجائش نہیں ہے کہ مَیں اس وقت مزید تفصیل سے بات کروں۔

☆☆☆

مالیگاؤں میں فروغِ رضویات کا اشاعتی ادارہ "نوری مشن"

☆ نوری مشن مالیگاؤں سے ۱۱۳ مطبوعات منظرِ عام پر ہیں۔ جن میں بیش تر رضویات کے عنوان پر ہیں۔
☆ کنز الایمان شریف ہزاروں کی تعداد میں متعدد مرتبہ شائع ہو کر عام ہوا۔
☆ فتاویٰ رضویہ، فتاویٰ مفتی اعظم، رسائل رضویہ، بہارِ شریعت کے کثیر سیٹ رعایتی شرح پر فراہم کیے گئے۔
☆ کئی جہتوں سے کام جاری ہے۔ کئی منصوبے زیرِ عمل ہیں، جن کے وسیع اثرات مستقبل میں رونما ہوں گے۔

اعلیٰ حضرت اور معاش کے احکام

پروفیسر عبدالمجید صدیقی

سابق پرنسپال سٹی کالج، مالیگاؤں

8600173630

تقریباً ۱۲۲/ہجری سال قبل ۲۷/جمادی الآخر ۱۳۱۸ھ کو بنگال کے مولوی امید علی صاحب نے ایک استفتا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری علیہ الرحمۃ کی خدمتِ عالیہ میں روانہ فرمایا، جس کا حضور اعلیٰ حضرت نے نہایت تفصیل سے خالص علمی اندازِ بیان میں ''خیر الآمال'' نام سے ایک رسالہ کی شکل میں جواب ارسال فرمایا، جسے رضا اکیڈمی ممبئی نے ''تجارت کا جائز طریقہ'' کے عرفی عنوان سے تقریباً سو سال بعد ۲۵/رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ میں شائع کیا۔ الحمد للہ! حضور اعلیٰ حضرت کی تحریرات کی اشاعت کا سلسلہ طویل عرصے کے بعد رضا اکیڈمی ممبئی کے ساتھ بعض دیگر اداروں نے جاری کیا۔ خدا کرے اشاعت کا یہ سلسلہ اپنی تکمیل تک جاری وساری رہے۔

مذکورہ بالا استفتا کا نہایت تفصیل سے جواب اعلیٰ حضرت نے عطا فرمایا ہے۔ مستفتی کا سوال تھا کہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ: روپیہ کمانا کس وقت فرض ہے، کس وقت مستحب، کس وقت مکروہ، کس وقت حرام، اور سوال کرنا کب جائز اور کب ناجائز۔ **بینوا و توجروا۔**

اعلیٰ حضرت نے اس استفتا کا جواب بہت تفصیل سے اور خالص علمی انداز میں مرحمت فرمایا ہے۔ چوں کہ ایک عالم دین کی جانب سے ارسال کردہ استفتا تھا؛ جس کا جواب دوسرے عالم دین کو دینا تھا۔ اس لیے خالص علمی زبان میں اعلیٰ حضرت نے اس کا جواب مرحمت فرمایا۔

اپنے جواب میں اعلیٰ حضرت نے روپیہ کمانے اور سوال کرنے کے بارے میں عمومی نکات کے ساتھ ساتھ ان مہین ترین نکات پر بھی روشنی ڈالی ہے؛ جن پر عوام الناس تو چھوڑیے علمائے کرام کی نظریں بھی نہیں پڑتی۔ شروع ہی میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ: ''یہ مسئلہ بہت طویل الذیل ہے جس کی تفصیل کو دفتر درکار۔'' اعلیٰ حضرت نے کسب (روپیہ کمانا) سے اپنی بات کا آغاز کیا ہے۔ آپ نے روپیہ کمانے کے عمل پر دو زاویوں سے گفتگو فرمائی ہے: اول تو اس کا مبداء کیا ہے۔ یعنی کن ذرائع سے روپیہ کمایا جا رہا ہے، دوم اس کی غایت کیا ہے۔ اس سے مراد کس غرض سے روپیہ کمایا جا رہا ہے؟ چنانچہ

روپیہ کس ذریعہ سے حاصل کیا جارہا ہے، اس کے خرچ کرنے کے پیچھے مقصد کیا ہے۔ انھیں دونوں باتوں کو سامنے رکھتے ہوئے اعلیٰ حضرت نے اپنا جواب مرحمت فرمایا۔

مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ روپیہ کمانے کا ذریعہ اور روپیہ کمانے کا مقصد یہ وہ مراکز ہیں جن کے گرد ساری گفتگو محو گردش ہے۔ جس سے مستقل یا عارضی احکام نوگانہ جاری ہوتے ہیں۔ یہ احکام نوگانہ ذیل کے مطابق وجود میں آتے ہیں:

(۱) فرض (۲) واجب (۳) سنت (۴) مستحب (۵) مباح (۶) مکروہ تنزیہی (۷) اساءت (۸) مکروہ تحریمی (۹) حرام۔

روپیہ کمانے کا ذریعہ اور روپیہ کمانے کا مقصد یہ دونوں کارندے یہ طے کریں گے کہ آپ کا روپیہ کمانا کب فرض ہے، کب واجب ہے، کب سنت ہے، کب مستحب اور کب مباح ہے۔ روپیہ کمانے کا یہی عمل کب مکروہِ تنزیہی ہو جائے گا اور کب اساءت ہوگا، کب مکروہِ تحریمی ہوگا اور کب حرام۔

آپ نے اپنے فتویٰ میں پہلے روپیہ کمانے کے ذرائع کی روشنی میں احکام متعین کیے ہیں۔ بعد میں روپیہ کمانے کے مقاصد کے پیش نظر احکام کی نشان دہی فرمائی ہے۔ روپیہ کمانے کے ذرائع اور روپیہ کمانے کے مقاصد ہی یہ طے کریں گے کہ روپیہ کمانے کے لیے اختیار کیا گیا پیشہ احکامِ نوگانہ میں فرض سے لے کر حرام تک کس خانے میں فٹ بیٹھ رہا ہے؛ خواہ یہ پیشہ، پیشۂ تجارت ہو یا پیشۂ ملازمت، خواہ آمدنی کا یہ ذریعہ مستقل ہو یا عارضی، خواہ روپیہ کمانے کا مقصد عارضی ہو یا مستقل۔

اب ہم یہ دیکھیں کہ روپیہ کمانے کے ذرائع کے پیش نظر اعلیٰ حضرت نے کس طرح سے شرعی رہنمائی فرمائی ہے، اور احکام نوگانہ میں ہماری تجارت یا ہمارا پیشۂ ملازمت کس خانہ میں فٹ بیٹھ رہا ہے:

(۱) غصب، رشوت، چوری، سود، زنا، گیت سنگیت، نشہ آور اشیا کی خرید و فروخت یا ان تمام معاملات میں معاونت و ملازمت سے ملنے والی رقم حرام ہے۔ تلاوتِ قرآن و وعظ، تذکیر، میلاد خوانی، باطل معاہدے سے ملنے والی آمدنی کا ذکر بھی اعلیٰ حضرت نے یہیں فرمایا ہے۔

(۲) جمعہ کی اذان کے وقت خرید و فروخت نیز ایک مسلمان نے جب کوئی چیز خریدنے کا سودہ کر لیا ہے اور ابھی گفتگو کا سلسلہ جاری ہے ایسے میں قیمت بڑھا کر اگر کوئی دوسرا شخص وہی سامان خریدے تو یہ مکروہ تحریمی ہے۔

(۳) اسی طرح ایسے تمام کام جسے نہ مکروہ تنزیہی کی طرح صرف خلاف اولیٰ کہا جائے نہ تحریمی کی طرح گناہ و ناجائز کہا جائے؛ بلکہ اس کے کرنے والے کے بارے میں کہا جائے کہ اس نے برا کیا یا اس کا

کیا(عمل) قابلِ ملامت ہے ایسے کاموں سے حاصل شدہ آمدنی اساءت کہلائے گی۔ مثلاً کسی ادارے یا عدلیہ وغیرہ کے کسی عہدے پر کوئی ایسا شخص براجمان ہو، جب کہ اس سے زیادہ قابل شخص دستیاب ہے یہ اساءت ہے۔ اول الذکر کی آمدنی کا شمار اساءت میں ہوگا۔

(۴) نماز ظہر، مغرب اور عشا کے فرض پڑھ کر سنتوں سے پہلے اور اسی طرح فجر کے بعد نماز صبح سے پہلے خرید وفروخت یا ہر وہ کسب (مال کا حاصل کرنا) جو خلاف سنت ہے یا ترک سنت کی طرف مائل کرنے والا ہے یہ سب مکروہ تنزیہی ہیں۔

(۵) ایک شخص کسی سے ہزار روپے قرض لینے کے لیے کسی قرض خواہ کے پاس گیا۔ قرض خواہ نے اسے ہزار روپے نہ دیتے ہوئے بارہ سو روپے کی ایک چیز بطور قرض دے دی، جسے قرض دار نے بازار میں ہزار روپے کی بیچ دی۔ یہ مباح ہے، اسی طرح سے ایک شخص جنگل سے لکڑی جمع کر کے لایا، یا جنگل سے شکار یا دریا سے مچھلی پکڑ کر لایا اور اسے بازار میں فروخت کیا۔ یہ مباح ہے۔

(۶) کسی شخص کا اولیا و علما کی نوکری کرنا، یا امور خیر پر اسی طرح سے اعانت کر کے روپیہ کمانا کہ اگر وہ شخص یہ امور خیر نہ کرے تو کوئی دوسرا عوام الناس کو نقصان یا تکلیف پہنچا سکتا ہے، اس طرح سے روپیہ کمانا مستحب ہے۔

(۷) احباب کا ہدیہ قبول کرنا یا انھیں ہدیہ دینا یہ سنت ہے۔

(۸) والدین سے ملے ہوئے عطیہ وغیرہ کو یہ سمجھ کر قبول کرنا کہ نہ قبول کرنے سے شاید وہ ناراض ہو جائیں گے تو یہ کسب (مال کا حاصل کرنا) واجب ہے۔

(۹) اور اگر یقین ہو کہ والدین سے ملے ہوئے عطیہ وغیرہ کو قبول نہ کرنے سے وہ ضرور ناراض ہو جائیں گے تو یہ عطیہ وغیرہ قبول کرنا فرض ہے۔ اسی طرح سے عدلیہ یا کسی ادارے کی ذمہ داری اس وقت سنبھالنا فرض ہے جب اور کوئی شخص اس کا اہل نہ ہو۔

اب تک جو گفتگو ہوئی ہے وہ روپیہ حاصل کرنے کے ذرائع سے متعلق ہے، یہ روپیہ کمانے کی پہلی بنیاد ہوئی۔ استفتا میں دوسری بنیادی بات ''روپیہ کمانے کا مقصد'' ہے۔ اب اس زاویہ سے اعلیٰ حضرت سے شرعی رہنمائی حاصل کرتے ہیں:

(۱) کم از کم اتنا کھانا فرض ہے کہ جس سے فرض نماز کھڑے ہو کر پڑھنے کی طاقت وقوت حاصل ہو جائے۔ رمضان میں روزہ رکھ سکیں، اسی طرح سے اتنا کپڑا پہن سکیں جو سدِ رمق و ستر عورت کی شرائط کو پورا کر سکے۔ مثلاً اس روپیہ سے اتنا کپڑا خرید سکیں جو جان بچانے اور بے پردگی سے بچانے کے لیے

کافی ہو، اسی طرح سے زندگی بچانے والی اور کوئی بھی شئے مثلاً دوا، علاج، حسبِ ضرورت مکان یہ سب فرض میں شامل ہیں۔

(۲) اتنا کھانا کہ واجبات ادا کرسکیں، بیوی کے مخصوص حقوق ادا کرسکیں، اسی طرح سے اتنا کپڑا کہ زانو نہ کھلیں، صدقۂ فطرا گر واجب ہے تو اس کی ادائیگی، اسی طرح سے تمام واجب اموراس میں شامل ہیں، یہ سب واجب ہیں۔

(۳) تمام سنن نبوی کی ادائیگی پر خرچ کرنا، اگر مقصد میں شامل ہے تو یہ تمام خرچ سنت ہے۔

(۴) اسی طرح سے فلاحِ عامہ کے لیے جو خرچ کیا گیا وہ مستحب ہے۔ مثلاً پانی کی سبیل کا نظم کر دینا، سرائے بنا دینا، راستے اور پل تعمیر کر دینا۔ اسی طرح سے مہمان کے ساتھ اس طرح سے کھانا کھانا کہ وہ بھر پیٹ کھائے، عورت حسب استطاعت غذا، زیب اور زینت وغیرہ پر اس طرح سے خرچ کرے کہ اس کے شوہر کے لیے اپنے حسن و جمال کی حفاظت کر سکے۔ یہ سب اخراجات مستحب ہیں۔

(۵) اسی طرح شریعت نے جن باتوں سے روکا ہے (امورِ منکرات) ان باتوں سے بچتے ہوئے اچھا لباس، اچھا مکان، اور کچھ شرائط کے ساتھ عورتوں کا بناؤ، سنگھار اور زیورات کا استعمال مباح ہیں، بلکہ مستحب کے درجے کو پہنچ جاتے ہیں۔

(۶) اپنے لیے انواع فواکہ سے تفکہ یہ مکروہ تنزیہی ہے۔

(۷) شہوتِ نفس اور لذتِ طبع کے جذبہ کے تحت عمدہ کھانا، عمدہ لباس میں منہمک رہنا، اگر چہ وہ حلال ہے، اساءت کے زمرے میں آتے ہیں، اسی طرح عورتوں کی طرح ہر وقت کنگھی کرنا، زیبائش اختیار کرنا بھی اساءت میں سے ہے۔ یہ معاملات اگر چہ حرام و گناہ نہیں لیکن خلافِ سنت ضرور ہیں۔

(۸) فخر و غرور کا مظاہرہ کرنے کے لیے مال حاصل کرنا اور جمع کرنا، پیٹ سے زیادہ لقمہ کھانا جس سے معدہ بگڑ جائے۔ یہ مکروہ تحریمی میں سے ہیں۔ ہاں روزہ کی حالت میں حصولِ قوت اگر مقصود ہو یا مہمان کا ساتھ دینا مقصود ہو تو مکروہ تحریمی نہیں۔

(۹) اسی طرح سے بہت بھڑک دار لباس، یا اتنا ناقص اور خسیس لباس پہننا کہ جس پر لوگوں کی نگاہیں کھنچ جائیں، اسی طرح انوکھی ہیئت، وضع و تراش خراش اختیار کرنا کہ لوگ انگلیاں اُٹھائیں مکروہ تحریمی ہے۔

(۱۰) ریشمی کپڑے کا استعمال، شراب و دیگر نشہ آور اشیا کا استعمال، سود کا لین دین جیسے تمام معاملات کے لیے خرچ کرنا حرام ہے۔

احکامِ کسب: کسب سے مراد کوئی بھی مال یا روپیہ پیسہ بھی ہوسکتا ہے۔کھانا کپڑا بھی ہوسکتا ہے یا کوئی چیز بھی ہوسکتی ہے۔اوپر کے سطور میں ہم نے ملاحظہ کیا ہے کہ احکامِ نوگانہ ذیل کے مطابق ہیں۔

احکامِ نوگانہ

فرض واجب سنت مستحب مباح مکروہ تنزیہی اساءت مکروہ تحریمی حرام

کس ذریعے سے مال آرہا ہے اور کس مقصد پر خرچ ہوگا، احکامِ کسب اس کے مطابق طے پائیں گے۔

مباح کے دائیں جانب؛ مستحب، سنت، واجب اور فرض ہیں۔انھیں طلب کہا جاتا ہے۔ان چاروں میں سے فرض اور واجب کی طلب ''جازم'' ہیں اور سنت اور مستحب غیر جازم ہیں۔مباح کے بائیں جانب مکروہ تنزیہی، اساءت، مکروہ تحریمی اور حرام ہیں، انھیں نہی کہا جاتا ہے۔ان میں مکروہ تنزیہی اور اساءت نہی ارشادی کہلاتے ہیں، اور مکروہ تحریمی اور حرام نہی حتمی ہیں۔مباح میں نہ ہی طلب ہے نہ ہی نہی۔یہ دونوں سے خالی ہے۔ان تمام احکامِ نوگانہ پر احکام متعین اور منحصر ہوتے ہیں۔ان کے ذرائع اور غرض پر، مال کہاں سے آئے گا، اور کس مقصد پر خرچ ہوگا۔ان تمام باتوں کو سامنے رکھتے ہوئے احکام طے پائیں گے۔

مثلاً: (۱) اگر ذریعہ اور مقصد دونوں فرض ہیں تو کسب فرض ہوگا، بلکہ دوہرہ فرض ہوگا۔مثلاً ایک شخص مستند ڈاکٹر ہے۔ڈاکٹری کا پیشہ اس کا ذریعۂ معاش ہوسکتا ہے، نیز اس کی اپنی ذات اور اپنی بیوی بچوں پر خرچ کرنا اس کا مقصد ہے، اس میں صرف طلب ہی طلب ہے، نہی کا کوئی شائبہ بھی نہیں ہے۔اس کا ذریعہ بھی فرض ہے اور مقصد بھی فرض، چنانچہ یہ کسب اس پر فرض ہوگا۔

(۲) ایک شخص کا شراب فروخت کرنا ذریعۂ معاش ہے، اس کا مقصد بھی عیاشانہ زندگی گزارنا ہے، اس کا ذریعہ بھی حرام اور مقصد بھی حرام، یہ کسب اس کے لیے دونا حرام ہے۔اگر اس شراب بیچنے والے شخص کا مقصد اپنی اور اپنے بیوی بچوں کی پرورش کرنا ہے تب بھی یہ حرام ہے، گرچہ دونا حرام نہ ہو، کیوں کہ یہاں طلب کا نام ونشان بھی نہیں ہے اور ہے تو صرف نہی۔اس لیے یہ کسب حرام ہوگا۔

(۳) مباح میں نہ ہی طلب ہے نہ نہی۔ یہ کسب مباح کے درجہ میں ہوگا۔

بقیہ معاملات علیٰ ھٰذا القیاس۔بخوفِ طوالت اس گفتگو کو یہیں مختصر کر رہا ہوں۔اس کے

برخلاف اگر ذریعہ اور مقصد مختلف ہوں تو احکام بدل جائیں گے، اعلیٰ حضرت کے مطابق احکام کی یہ تبدیلی تین طرح کی ہوگی: مثلاً اول اختلاف یا تو طلب میں ہے یا نہی میں، توحکم کی نوعیت یہاں الگ ہوگی۔ دوم اگر اختلاف، اختلاف کی جانب وسط ہوتو اس کا حکم پہلے حکم سے الگ ہوگا۔ سوم اگر اختلاف، اختلاف جانبین ہوتو اس کا حکم اوپر درج کیے گئے دونوں احکامات سے الگ ہوگا۔ یہ تینوں معاملات حد درجہ ٹیکنیکل ہیں، جن کی وضاحت کے لیے بہت سارے صفحات درکار ہوں گے۔ علاوہ ازیں یہ حد درجہ علمی بحث ہے؛ جس کا یہ مقالہ متحمل نہیں ہو سکے گا۔ اگر ممکن ہوتو ان تینوں احکامات کے حوالے سے آئندہ قلم اٹھاؤں گا۔ ان شاء اللہ۔

ان احکامات کو آسان لفظوں میں آپ یوں سمجھ لیجیے کہ طلب کے اپنے محاسن ہیں اور نہی کے اپنے عیوب۔ اگر محاسن اور عیوب یکساں ہیں تو ترازو کے (طلب اور نہی کے) دونوں پلڑے برابر ہوں گے۔ اس کے برعکس محاسن زیادہ اور عیوب کم ہوئے تو طلب کا پلڑا وزن دار ہوگا۔ اس کے برعکس اگر محاسن کم اور عیوب زیادہ ہوئے تو نہی کا پلڑا وزن دار ہوگا۔ ترازو کے پلڑوں کی انھیں کیفیتوں کے لحاظ سے حکم لگائے جائیں گے۔ **مثلاً:** (۱) اگر طلب اور نہی کے دونوں پلڑے برابر ہیں توحکم مباح کا لگے گا۔ (۲) اور اگر طلب کا پلڑا وزن دار ہے تو مستحب کا لگے گا۔ جیسے جیسے طلب کا وزن بڑھتا جائے گا حکم مستحب سے سنت، پھر سنت سے واجب اور پھر واجب سے فرض کی طرف منتقل ہوتا جائے گا کیوں کہ طلب کے اعتبار سے مستحب سے زیادہ وزن دار عمل سنت کا ہے اور سنت سے زیادہ وزن دار عمل واجب کا ہے، اور واجب سے زیادہ وزن دار عمل فرض کا ہے۔

ہم نے اوپر نوٹ کیا ہے کہ اگر طلب اور نہی کے وزن یکساں ہیں تو دونوں پلڑے برابر ہوں گے، یہاں مباح کا حکم لگے گا۔ (۳) اور اگر نہی کا پلڑا وزن دار ہوا توحکم مکروہ تنزیہی کا لگے گا۔ جیسے جیسے نہی کا وزن بڑھتا جائے گا ویسے ویسے حکم مکروہ تنزیہی سے اساءت کی طرف، اساءت سے مکروہ تحریمی کی طرف اور مکروہ تحریمی سے حرام کی طرف منتقل ہوتا جائے گا۔ کیوں کہ نہی کے اعتبار سے مکروہ تنزیہی سے زیادہ وزن اساءت کا ہے اور اساءت سے زیادہ وزن مکروہِ تحریمی کا ہے اور مکروہِ تحریمی سے زیادہ وزن حرام کا ہے، احکام کے نفاذ کی یہ پہلی شکل ہوئی۔

بہرحال اس بات کو ذہن نشین رکھیں کہ احکام جاری کرنے کا یہ عمل اتنا آسان نہیں جتنی آسانی سے اوپر درج کیا گیا۔ یہ احکام مزید پیچیدہ ہوجاتے ہیں جب طلب کے چار احکامات میں سے کسی دو حکم

کے اوزان ہمارے سامنے آتے ہیں، ایسی صورت میں اعلیٰ حضرت دونوں حکموں کے الگ الگ اوزان کو سامنے رکھتے ہوئے اور پھر زیادہ وزن والے حکم کے حق میں فیصلہ صادر فرماتے ہیں۔ یہاں یہ بات خاص طور پر نوٹ کی جانی چاہیے کہ بعض صورتوں میں فرض کا وزن زیادہ ہونے کے بعد بھی بہ اعتبار مجموعی واجب کا وزن زیادہ ہوتا ہے تو فیصلہ بھی واجب کے حق میں ہوجاتا ہے۔ مثلاً بقرعید پر صاحبِ نصاب شخص پر قربانی واجب ہے اور بچوں کو کھانا کھلانا فرض ہے تو واجب کی تکمیل کا حکم دیا جائے گا۔ اس سے قربانی کا وجوب بھی عمل میں آ گیا اور بچوں کو کھانا بھی مل گیا۔ جس طرح سے طلب میں یہ الجھی ہوئی کیفیت نمودار ہوئی ہے ویسی ہی الجھی ہوئی کیفیت نہی میں بھی نمودار ہوسکتی ہے، جس پر حسبِ ضرورت احکام نافذ کیے جاتے ہیں۔ احکام کے نفاذ کی یہ دوسری شکل ہوئی۔ احکام کے نفاذ کی تیسری شکل نہایت پیچیدہ ہے۔ اس صورت میں طلب کے بعض احکام نہی کے بعض احکام سے متصادم ہوجاتے ہیں۔ اس کی تفصیلی وضاحت کے لیے ایک دفتر لازم آئے گا۔ جس کی گنجائش اس مقالے میں نہیں ہے۔

اعلیٰ حضرت کی جانب سے جاری کردہ ''خیر الآمال'' نامی فتویٰ حددرجہ ٹیکنیکل ہونے کے سبب علمی گفتگو کے انداز میں تحریر فرمایا گیا ہے، اس کی تفہیم بھرپور ذہنی یکسوئی کی متقاضی ہے۔ اس عنوان پر علمی انداز سے ہی گفتگو لازمی تھی، کیوں کہ یہ ایک عالمِ دین کی تحریر ایک دوسرے عالمِ دین کے نام تھی۔ اس کے باوجود آخری صفحات میں اعلیٰ حضرت نے مثالوں کے ذریعے معاملات کو سمجھانے کی بڑی حد تک حکمت عملی اپنائی ہے۔ فی زمانہ اس فتویٰ کو عوام الناس تک بلکہ ان کی تفہیم و تربیت تک پہنچانا نہایت ضروری ہوگیا ہے، کیوں کہ آج کے اس پرآشوب زمانے میں عوام تو عوام بلکہ خواص کے یہاں بھی حلال اور حرام کی تمیز اُٹھتی جارہی ہے۔ الا ماشاء اللہ۔

اعلیٰ حضرت نے پیشے کے شرعی احکامات کے بارے میں جو رہنمائی فرمائی ہے؛ اس کی روشنی میں اس کم علم نے جس حد تک اسے سمجھا ہے اسے آسان لفظوں میں پیش کرنے کی سعی کی ہے۔ مفتیانِ عظام اور علماے کرام سے التماس ہے کہ اس عنوان کو مزید عام فہم زبان میں عامۃ المسلمین کے سامنے پیش کریں تاکہ کسبِ مال اور روپیہ کمانے کے لیے تجارت یا ملازمت کے بارے میں پیش قدمی کرتے وقت وہ حلال آمدنی کے حصول کے لیے آگے بڑھ سکیں اور حرام آمدنی کی وصول یابی سے بچ سکیں۔

☆☆☆

مِرادین پارۂ ناں نہیں

از: علامہ قمرالزماں اعظمی مرتب: فرید رضوی، نوری مشن مالیگاؤں

مفکر اسلام علامہ قمرالزماں اعظمی (سکریٹری جنرل ورلڈ اسلامک مشن انگلینڈ) کی فکر و مشاہدہ کا اِک تاباں ورق پیش ہے۔ جس میں اعلیٰ حضرت کی شانِ بے نیازی، بارگاہِ رسالت ﷺ میں فِدا کاری کا جلوہ نظر آئے گا۔ علماے حق کی خدمات کی قندیل فروزاں نظر آئے گی۔ محبِ گرامی فرید رضوی نے اسے تحریری شکل دی، آپ بھی مطالعہ کریں۔ اور علما کی خدمات سے آگہی حاصل کریں۔ علماے حق کا احترام بجالائیں۔ مدیر

''مجھے یاد ہے کراچی میں تابانی نے جو'ایرو ایشیا'(Airo Asia) کے مالک تھے؛ میرے اعزاز میں ایک کانفرنس کی تھی، جہاں شہر کے بڑے ہی عظیم لوگوں کو جمع کیا تھا انھوں نے، سارے سرمایہ داروں کو، اور سوال یہ کیا گیا تھا کہ: علما آج بڑے کام کیوں نہیں کر پا رہے ہیں؟ ذہین کیوں نہیں ھیں؟ حالات کا مقابلہ کیوں نہیں کرتے؟ میں نے کہا: یار! جن بچوں کو صدقے اور زکوٰۃ کے نام پر پالتے ھو، وہ تمہاری کلائی تھام کر کے تمھیں برائی سے نہیں روک سکتا ھے، وہ دور پیدا کرو؛ جو علما کا دور تھا۔ تمہارے بچے؛ چارسو تو عالم موجود ہوں، سبھی دولت مند ہوں، اور ملین ہوں۔ کتنے بچے حافظ ھوئے تمہارے بیٹوں میں سے؟ کتنے بچے عالم ھو رہے ہیں؟ ہم جن بچوں کو پڑھاتے ہیں؛ پڑھاتے کم ہیں؛ پالتے زیادہ ہیں، وہ جو کر رہے ہیں وہی بہت بڑی بات ہے۔

اورنگ زیب کے زوال کے بعد اگر برصغیر میں اسلام محفوظ ھے تو علما کی محنتوں کی بنیاد پر، تمہاری پیشانیوں میں اگر سجدہ ھے، تمہارے دلوں میں اگر ایمان ھے تو انھیں چٹائی اور پٹائی کے علما کی بنیاد پر ہے، جنھوں نے زحمتیں اُٹھائیں، تکلیفیں برداشت کیں، اور انھوں نے اپنے دین کا کام کیا، احسان مانو ان کا۔ اور اگر تم چاہتے ہو کہ انقلاب لانے والے علما پیدا ہوں تو ایسے علما پیدا کرو جو جنگِ آزادی سے پہلے کے علما تھے: جو بڑے بڑے مناصب پر (فائز) تھے، (علما) دولت مند لوگ تھے، سرمایہ دار لوگ تھے، جن کو بادشاہ وظیفہ دیا کرتے تھے، تو وظیفوں کا دور بھی ختم ہو گیا تھا، پھر کیا ھو رہا تھا؟ (کسی عالم نے) ایک کتاب لکھی تاریخ کی، کس نے نام نہیں لوں گا، بے ادبی نہ ھو جائے، اور اس کو لے

کر کہ دربارِ عالیہ رامپور نے وظیفہ جاری کر دیے، وظیفہ جاری ہو گیا۔ ایک کتاب لکھی فلسفے پر، ایک پروفیسر نے، دربارِ عالیہ نظام آباد میں حاضر ہوئے، وظیفہ جاری کر دیا گیا۔ ایک کتاب لکھی کسی نے، تحقیق کی بنیاد پر، حیدر آباد گیا، عثمان علی خان نے وظیفہ جاری کر دیا۔ ایک یا دو کتاب لکھی کسی نے، یہ سب تحقق ھے اور وہ رامپور گیا، وظیفہ جاری کر دیا گیا۔ زندگی بھر کے وظائف (جاری ہوئے) ایک یا دو کتاب پر۔ (اعلیٰ حضرت) امام (احمد رضا) نے ایک ہزار کتابیں لکھیں اور کسی دروازے پر انھیں نہیں دیکھیں گے آپ! کسی دروازے پر نہیں!! بلکہ کتابیں لکھیں اور کسی نے کہا کہ: حضور! سرکارِ رامپور نے یاد فرمایا ھے۔ آپ کو اعزاز دینے کے لیے یاد فرمایا ہے، تو اعلیٰ حضرت نے ایک شعر لکھا تھا، سن لیجیے آپ بھی ؎

بجز سرکار سرکارِ عالم

سروکارے بسرکارِ نہ دارم

سوائے سرکار کے جو مقصدِ تخلیقِ کائنات ہیں، کسی سرکار سے میرا کوئی سروکار نہیں ھے، میں نہیں جاتا، نوابِ ناںپارہ سعادت علی خان نے یاد کیا، مشاعرہ منعقد کیا، اپنے دور کے سب سے بڑے نعت گو شاعر تھے نہ، پہلے کوئی تھا نہ آج ھے، امام (شرف الدین) بوصیری کے بعد جن کے کلام کو عالمی شہرت ملی ہے؛ امام احمد رضا محدث بریلوی ہیں، امام بوصیری کی ایک نعت مشہور ہوئی ھے، اوران کی ہر نعت آسمان تک پہنچی ہوئی ھے، بارگاہِ رسول ﷺ میں مقبول ہے! اللہ اکبر!

اعلیٰ حضرت کو بلایا گیا تو آپ نے ایک نظم لکھ کر بھیجی؛ نعت کہ ؎

وہ کمالِ حسن حضور ہے کہ گمان نقص، جہاں نہیں

یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

کروں مدح اہلِ دوم رضاؔ، پڑے اس بلا میں مری بلا

میں گدا ہوں اپنے کریم کا، مرا دین پارۂ ناں نہیں

میں حکومت کے سربراہوں کی تعریف کروں! جو لوگ جاتے تھے وہاں نعت بھی لکھتے تھے اور کچھ بادشاہوں کے لیے بھی دو چار شعر۔ یہ لکھ کر کے بھیج دیا، اور بادشاہ نے اسے محسوس کیا ع

میں گدا ہوں اپنے کریم کا، مرا دین پارۂ ناں نہیں''

☆☆☆

ssion

خواجۂ ہند وہ دربار ہے اعلیٰ تیرا

مولانا حسن رضا بریلوی

(برادرِ عزیز، امام احمد رضا قادری بریلوی)

خواجۂ ہند وہ دربار ہے اعلیٰ تیرا	کبھی محروم نہیں مانگنے والا تیرا
ہے تری ذات، عجب بحرِ حقیقت پیارے	کسی تَیراک نے پایا نہ کنارا تیرا
زورِ پامالیِ عالَم سے اسے کیا مطلب؟	خاک میں مل نہیں سکتا، کبھی ذرہ تیرا
گلشنِ ہند ہے شاداب کلیجے ٹھنڈے	واہ! اے ابرِ کرم زور برسنا تیرا
کیا مہک ہے کہ معطّر ہے دماغِ عالَم	خطۂ گلشن ِفردوس ہے روضہ تیرا
تیرے ذرہ پہ معاصی کی گھٹا چھائی ہے	اس طرف بھی کبھی اے مہر ہو، جلوہ تیرا
پھر مجھے اپنا درِ پاک دکھا دو پیارے	آنکھیں پُرنور ہوں پھر دیکھ کے، جلوہ تیرا
تجھ کو بغداد سے حاصل ہوئی وہ شانِ رفیع	دنگ رہ جاتے ہیں سب دیکھ کے، رُتبہ تیرا
کیوں نہ بغداد میں جاری ہو تیرا چشمۂ فیض	بحر، بغداد کی ہے، نہر ہے دریا تیرا
کرسی ڈالی تری تختِ شہِ جیلاں کے حضور	کتنا اونچا کیا اللہ نے، رُتبہ تیرا
تجھ میں ہیں تربیتِ خضر کے پیدا آثار	بحر و بر میں ہمیں ملتا ہے، سہارا تیرا
خفتگانِ شبِ غفلت کو جگا دیتا ہے	سالہا سال وہ راتوں کو نہ سونا تیرا
محیِ دیں غوث ہیں اور خواجہ معینِ دیں ہیں	اے حسنؔ کیوں نہ ہو محفوظ عقیدہ تیرا

○○○

Noor

بارگاہِ خواجۂ ہند میں امام احمد رضا کی حاضری

یٰسٓ اختر مصباحی
بانی وصدر دارالقلم، ذاکرنگر، نئی دہلی

مزرعِ چشت و بخارا و عراق و اجمیر
کون سی کشت پہ برسا نہیں جھالا تیرا (رضاؔ بریلوی)

خواجۂ ہند وہ دربار ہے اعلیٰ تیرا
کبھی محروم نہیں مانگنے والا تیرا (حسنؔ بریلوی)

عاشقِ رسول، فقیہِ اسلام، حضرت مولانا الشّاہ عبدالمصطفیٰ، احمد رضا، حنفی، قادری، برکاتی، بریلوی قُدِّسَ سِرُّہٗ (متولد ۱۲۷۲ھ/ ۱۸۵۶ء۔ متوفی ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء) متبحر عالم وفاضل اور جامعِ شریعت وطریقت شیخِ کامل تھے۔ آپ کی ذات، علمِ نافع وعملِ صالح کا قابلِ صد رشک نمونہ تھی۔ اپنے عہد میں آپ، مرکزِ فتاویٰ ومرجعِ اَنام تھے۔ آپ کے قلمِ حقیقت رقم سے نکلی ہوئی تقریباً ایک ہزار چھوٹی بڑی کتب ورسائل اس دعویٰ پر شاہدِ عدل ہیں۔

تصوف وطریقت کے اسرار ورموز سے آپ بخوبی واقف اور ان کے عارف تھے۔ آپ کے رسائلِ مبارکہ 'کشفِ حقائق واسرار و دقائق' (۱۳۰۸ھ)، اَلْیَاقُوْتَۃُ الْوَاسِطَۃُ فِی قَلْبِ عِقْدِالرَّابِطَۃِ (۱۳۰۹ھ) نقاءُ السّلافۃ فِی اَحْکَامِ الْبیعۃِ وَالْخِلَافَۃِ (۱۳۱۹ھ)، مَقَالِ عُرَفَا بِاِعْزَازِ شَرع وَعُلَمَا (۱۳۲۷ھ) اور فتاویٰ رضویہ وغیرہ کے اندر، دینی ومذہبی اور علمی وعملی، ہر لحاظ سے، جو ایمان افروز، روح پرور، دل نشیں اور چشم کشا نمونے ملتے ہیں وہ آپ کے روحانی مراتبِ کمال پر دال ہیں۔ جن سے آپ کے مدارجِ عالیہ ومراتبِ رفیعہ کا ہر منصف مزاج شخص کو علم ہی نہیں، بلکہ ان کا یقین بھی ہوجاتا ہے۔

امام احمد رضا، حنفی، قادری، برکاتی، بریلوی اپنا ایک واقعہ، بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''میں روتا ہوا، دو پہر کو سو گیا۔ دیکھا کہ حضرت جدِ امجد (مولانا رضا علی بریلوی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے اور ایک صندوقچی، عطا فرمائی۔ اور فرمایا: عن قریب آنے والا ہے وہ شخص، جو تمہارے دردِ دل کی

دوا کرے گا۔ دوسرے، یا تیسرے روز، حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ، بدایوں سے تشریف لائے اور اپنے ساتھ، مارہرہ شریف تشریف لے گئے۔ وہاں جا کر شرفِ بیعت، حاصل کیا۔''
(ص ۶۳۔ الملفوظ، حصہ سوم۔ رضا اکیڈمی ممبئ)

خانقاہِ عالیہ قادریہ برکاتیہ، مارہرہ شریف (ضلع ایٹہ، یوپی) سے آپ کی روحانی وابستگی تھی۔ محب الرسول، تاج الفحول، حضرت مولانا عبدالقادر، عثمانی، قادری، برکاتی، بدایونی (متوفی ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء) کے ایماو مشورے پر، ان کی رفاقت میں آپ ۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء میں مارہرہ شریف حاضر ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر، بائیس (۲۲) سال تھی۔

خاتم الاکابر، حضرت مولانا سید شاہ، آلِ رسول، احمدی، قادری، برکاتی، مارہروی (متوفی ۱۲۹۶ھ/۱۸۷۹ء) کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے۔ اور اسی وقت، اجازت وخلافت سے بھی نوازے گئے۔

ایک سوال کے جواب میں حضرت خاتم الاکابر، مارہروی نے ارشاد فرمایا:
''اور لوگ، میلا کچیلا، زنگ آلود دل لے کر آتے ہیں، جس کے تزکیہ کے لیے ریاضت ومجاہدہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ مُصفیٰ ومُزکیٰ قلب لے کر آئے۔ انہیں، ریاضت ومجاہدہ کی کیا ضرورت تھی؟ صرف اِتّصالِ نسبت کی حاجت تھی، جو بیعت کے ساتھ ہی حاصل ہو گیا۔''
مزید فرمایا: ''مجھے بڑی فکر تھی کہ بروزِ حشر، اگر احکم الحاکمین نے سوال فرمایا کہ: آلِ رسول! تو میرے لیے کیا لایا ہے؟ تو میں کیا پیش کروں گا؟ مگر، خدا کا شکر ہے کہ آج، وہ فکر دور ہو گئی۔ اُس وقت ''احمد رضا'' کو پیش کر دوں گا۔''
(شمارۂ پنجم، تادہم۔ ترجمانِ اہلِ سنّت۔ پیلی بھیت۔ ودیگر کتب وروایات)

قارئین کرام پر، یہ حقیقت بھی واضح رہنی چاہیے کہ: امام احمد رضا، حنفی، قادری، برکاتی، بریلوی، ہر شیخ ومرشدِ طریقت کے لیے حسب قاعدۂ شریعت وطریقت، یہ چار شرطیں، لازم قرار دیتے ہیں:
اول: سنی صحیح العقیدہ، مطابقِ عقائدِ عُلماے حرمین شریفین ہو۔
دوم: اتنا علم رکھتا ہو کہ اپنی ضرورت کے مسائل، کتاب سے خود نکال سکے۔
سوم: فاسقِ معلن نہ ہو۔
چہارم: اس کا سلسلہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل ہو۔
(ص ۵۸۸۔ فتاویٰ رضویہ، مترجم۔ جلد ۲۱۔ رضا فاؤنڈیشن لاہور)
اور بیعت وارشاد کے بارے میں فرماتے ہیں:

’’لوگ، بیعت بطورِ رسم ہوتے ہیں، بیعت کا معنی نہیں جانتے۔ بیعت اسے کہتے ہیں کہ حضرت یحییٰ منیری کے ایک مرید، دریا میں ڈوب رہے تھے کہ: حضرت خضر علیہ السلام ظاہر ہوئے اور فرمایا: اپنا ہاتھ مجھے دے کہ تجھے نکال لوں۔ ان مرید نے عرض کیا کہ: یہ ہاتھ، حضرت یحییٰ منیری کے ہاتھ میں دے چکا ہوں۔ اب، دوسرے کو نہ دوں گا۔ حضرت خضر علیہ السلام غائب ہو گئے۔ اور حضرت یحییٰ منیری، ظاہر ہوئے اور ان کو نکال لیا۔‘‘ (ص ۴۲۔ الملفوظ، حصہ دوم۔ رضا اکیڈمی بمبئی)

’’بیعت کے معنی بِک جانا سبعِ سنابل شریف میں ہے۔ ایک صاحب کو سزائے موت کا حکم بادشاہ نے دیا۔ جَلاّد نے تلوار کھینچی۔ یہ اپنے شیخ کے مزار کی طرف، رُخ کر کے کھڑے ہو گئے۔ جَلاّد نے کہا: اس وقت، قبلہ کو منہ کرتے ہیں۔ فرمایا: تو اپنا کام کر۔ میں نے قبلہ کو منہ کر لیا ہے۔ اور ہے بھی یہی بات کہ کعبہ، قبلہ ہے جسم کا۔ اور شیخ، قبلہ ہے روح کا۔ اس کا نام اِرادت ہے۔ اگر اس طرح صدقِ عقیدت کے ساتھ ایک دروازہ پکڑ لے تو اس کو فیض، ضرور آئے گا۔ اور بالفرض وہ بھی نہ سہی، تو حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو معدنِ فیض و منبعِ انوار ہیں، ان سے فیض آئے گا۔ سلسلہ، صحیح اور متصل ہونا چاہیے۔‘‘ (ص ۶۵۔ الملفوظ، حصہ دوم۔ رضا اکیڈمی بمبئی)

اسی حسنِ عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے قصیدۂ غوثیہ (اکسیرِ اعظم ۱۳۰۲ھ) میں امام احمد رضا بریلوی عرض کرتے ہیں:

سرتوئی، سرور توئی، سررا، سروساماں توئی
جاں توئی، جاناں توئی، جاں را، قرارِ جاں توئی

☆☆☆

تیری سرکار میں لاتا ہے رضاؔ اس کو شفیع
جو مِرا غوث ہے اور لاڈلا بیٹا تیرا

حسنِ عقیدت کا یہ والہانہ انداز بھی کتنا روح پرور ہے:

ترا ذرّہ مہِ کامل ہے یا غوث
ترا قطرہ، یمِ سائل ہے یا غوث
کوئی سالک ہے، یا واصل ہے یا غوث
وہ کچھ بھی ہو، ترا سائل ہے یا غوث
کہا تو نے کہ جو مانگو ملے گا
رضاؔ تجھ سے ترا سائل ہے یا غوث

ایک رسالہ اِنۡهَارُ الۡاَنۡوَار مَنۡ یَمِّ صَلوٰۃَ الۡاَسۡرَار (۱۳۰۵ھ) میں یہ شیفتگی ووارفتگی، اس رسالہ ہی نہیں، خود آپ کے حسنِ خاتمہ کا کتنا رشک آفریں نمونہ ہے:

''یہ ہے، جو، اس گدائے سرکار فیض بار قادریہ پر، برکات ونعماتِ حضور پُرنور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فائض ہوا ع

گر قبول افتد، زہے عِزّ وشرف

گدائے بے نَوا، فقیرِ ناسزا، اپنے تاج دارِ عظیم الجود، عمیم العطا کے لطفِ بے منّت وکرمِ بے عِلّت سے، اس صلے کا طالب کہ عفووعافیت وحسنِ عاقبت کے ساتھ اس دارِ ناپائدار سے رُخصت ہوتے ہوئے مصطفیٰ ﷺ کے عزیز پسر، بتولِ زَہرا کے لختِ جگر، علیِ مرتضیٰ کے نورِ نظر، حسن وحسین کے قُرَّۃ بصر، محیِ سنّتِ ابی بکر وعمر صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَی الۡحَبِیۡبِ وَعَلَیۡهِم وَسَلَّمۡ۔

یعنی حضور غوثِ صمدانی، قطبِ رَبّانی، وَاہبُ الآمال ومُعطی الامانی، حضور پرنور غوثِ اعظم قطبِ عالَم، محی الدین، ابومحمد عبدالقادر حسنی حسینی جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ وَاَرۡضَاہُ وَجَعَلَ حِرۡزَنَا فِی الدَّارَیۡنِ رَضَاہ کی محبت وعشق وعقیدت واتباع واطاعت پر جائے۔ اور جس دن، یَوۡمَ نَدۡعُوۡ کُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمۡ کا ظہور ہو یہ سراپا گناہ، زیرلوائے بے کس پناہ، سرکارِ قادریت، ظِلِ الٰہ، جگہ پائے۔ فَاِنَّ ذٰلِكَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیۡر۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡر۔''

(ص ۵۴۷ و ۵۴۸۔ فتاویٰ رضویہ، جلد سوم۔ رضا اکیڈمی بمبئی)

ایک خطبۂ رسالہ کے آخر میں لکھتے ہیں:

قَالَ الفقیر عبدالمصطفیٰ احمد رضا اَلۡمحمدی السُّنِّی الۡحَنفی الۡقَادری الۡبَرکاتی الۡبَریلوی، لَمَّ اللہ شعثہ۔
وَتَحۡتَ اللِّوَاءِ الۡغَوثِی بَعَثَہٗ۔

(ص ۳۔ اَلۡیَاقُوۡتَۃُ الۡوَاسِطَۃُ فِیۡ قَلۡبِ عِقۡدِ الرَّابِطَۃ، مطبوعہ: المجمع الاسلامی، مبارک پور ضلع اعظم گڑھ۔ یوپی)

گویا، آپ کے ہر بُنِ مو سے یہ صدا آتی تھی کہ:

قادری کر، قادری رکھ، قادریوں میں اُٹھا
قدرِ عبدالقادرِ قدرت نُما کے واسطے

سورت، گجرات سے ایک سوال آیا کہ:

امامِ اعظم ابوحنیفہ، افضل ہیں، یا سیدنا الشیخ عبدالقادر جیلانی؟
اس کا جواب دیتے ہوئے امام احمد رضا بریلوی رقم طراز ہیں:
امام عبدالوہاب شعرانی، میزانُ الشریعۃِ الکبریٰ میں فرماتے ہیں:

الامام ابوحنیفة سُئِلَ عَنِ الْاَسْوَدِوَالْعَطَاءِ وَعَلْقَمة ايُّهُمْ اَفْضَلُ۔فَقَالَ: وَاللهِ مَانَحْنُ بِاَهْلٍ اَنْ نَذْكرهُمْ فَكَيْفَ نُفَاضِلُ بَيْنَهُم۔

یعنی ایک روز، امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال ہوا:
امام علقمہ و امام اسود، شاگردانِ حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، و امام عطا بن ابی رباح، استاذِ امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں کون افضل تھا؟
فرمایا: ہم، ان کے ذکر کرنے کے قابل نہیں۔ نہ کہ ان میں ایک کو، دوسرے سے افضل بتائیں۔
امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا یہ ارشاد، تواضعاً تھا۔ اور یہاں، قطعاً، حقیقتِ امر ہے۔ حَاشَ لِلّٰہ۔ ہمارے منہ، اس قابل نہیں کہ:
حضور سیدنا امامِ اعظم، یا حضور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا نامِ پاک اپنی زبان سے لیں۔ یہ بھی، رحمتِ الٰہیہ ہے کہ اس نے ہمیں اپنے محبوبوں کے ذکر کی اجازت دی ہے۔ ہم کس منہ سے، ان میں تفاضُل، بیان کریں؟ وہ، ہماری شریعت کے امام اور یہ ہماری طریقت کے امامِ مفرد ؎

عہدہا بالبِ شیریں دِہناں بست خدا
ماہمہ بندہ و ایں قوم خداوند انند

اور یہاں، اسی میزان میں انہیں امام شعرانی کا، یہ قول:

اِعْتِقادُنَا اَنَّ اَكَابِرَالصَّحَابَةِوَالتَّابِعِيْن وَالْاَئمَّةِ الْمُجْتَهِدِين كَانَ مقَامُهُم اَكْبَرَمِنْ مَقَام باقِي الْاَوْلِياءِ بِيَقين۔ وارِد ہے۔

حضور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلاشبہ، واصلانِ عین الشّریعۃ الکبریٰ کے سرداروں میں سے ہیں۔ اور اس کے واصلوں کو یہی امام شعرانی اسی میزان میں فرماتے ہیں:

مَنْ اَشْرَفَ عَلىٰ عينِ الشَّرِيْعَةِ الْاُوْلىٰ يُشارِكُ الْمُجْتَهِدِين فِي الْاِغْتِرافِ مِنْ عَيْنِ الشَّرِيْعَة۔ فَاِنَّهٗ مَاثَمَّ اَحَدٌحَقٌّ لَهٗ قَدَمُ الوِلَايَةِ الْمُحَمَّدِيَّةِ اِلَّاوَيُصِيْر يأخذ اَحْكَامَ شرعِهٖ صَلَّى اللهُ تَعالىٰ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ مِن حَيْثُ اَخَذَهَا الْمُجْتَهِدون۔ وَيَنْفَكُّ عنهُ التَّقْلِيدُ لِجَمِيع الْعُلَمَاءِ اِلَّا لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ ثُمَّ مَا نُقِلَ عَنْ اَحَدٍ مِنَ الْاَوْلِيَاءِ اَنَّهٗ كَانَ شَافِعِياً اَوْ حَنَفِياً، مَثَلاً، فَذَالِكَ قَبْلَ اَنْ يُّصِلَ مَقَامَ الْكَمَال۔

(جو عینِ شریعت کے چشمۂ صافی پر پہنچ جاتا ہے، وہ اس نہرِ حقیقت سے چلّو لینے میں مجتہدین کا شریک و سہیم ہو جاتا ہے۔ اور جو شخص، ولایتِ محمدیہ کے درجۂ عظمیٰ پر فائز ہو جاتا ہے وہ، وہیں سے احکام، حاصل کر سکتا ہے، جہاں سے ائمۂ مجتہدین رَحِمَهُمُ اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْن۔

اس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا، تمام علمائے اُمت کی تقلید سے آزادی ہے۔ اور بعض اولیا کے بارے میں جو، یہ آیا ہے کہ حنفی، یا شافعی تھے۔ وغیرہ۔ تو یہ ان حضرات کے مقامِ کمال تک پہنچنے سے پہلے کی بات ہے۔)

حضور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ "مُحْيِّ الدِّيْن" ہیں۔ اِحیاے دین کے لیے قائم کیے گئے۔ اور مذہبِ حنبلی، اسلام کا رُبع ہے۔ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: جَعَلْتُكَ رُبْعَ الْاِسْلَامِ۔ ہم نے تمہیں اسلام کا چہارم کیا۔ یہ مذہب، قریبِ اِندراس تھا۔

لہٰذا، اس کے اِحیا کے لیے اس پر، اِفتا فرماتے۔ ہاں! حضور سیدنا امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے حضراتِ عالیہ، امام مالک و امام شافعی و امام احمد وَمَنْ بَعْدَهُمْ مِنَ الْاَئِمَّةِ الْكِرَام رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُم پر، فضلِ تابعیت ہے۔

امام، تابعی ہیں۔ رَأَى اَنَساً رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ۔ اور باقی حضرات میں اور کوئی، تابعی نہیں۔

وَمَا وَقَعَ مِنْ عَلِيِّ الْقَارِي فِي الْمِرْقَاةِ مِنْ تَابِعِيَّةِ الامام مَالِك رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ فَسَهْوٌ ظَاهِرٌ لَا يُلْتَفتُ اِلَيْهِ۔

اور ملّا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، سے مرقاۃ میں جو، یہ سہو ہوا کہ:
حضرت امام مالک، تابعی ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ، قابلِ التفات نہیں۔
گدائے قادری، عرض کرتا ہے ؎

صحابیت ہوئی، پھر تابعیت
بس آگے، قادری منزل ہے یا غوث

ہزاروں تابعی سے تو فزوں، ہاں

وہ طبقہ، مُجملاً فاضل ہے یا غوث

وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمہ۔ (ص ۳۳۲و۳۳۳۔فتاویٰ رضویہ،جلد یازدہم۔مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئی)

اِمام احمد رضا،حنفی،قادری،برکاتی،بریلوی،جُملہ صحیح ومستند سلاسلِ طریقت

مثل چشتیہ ونقشبندیہ وسہروردیہ ورفاعیہ وشاذلیہ وغیرہ اوران کے صحیح الاعتقاد سنی مشائخِ کرام کو برحق سمجھنے کے ساتھ،ان کے عقیدت مند بھی تھے اور جہاں کہیں ان کا ذکر اوران کا نام آپ کی تحریروں میں ملتا ہے،حسنِ ادب واحترام کے ساتھ ہی ملتا ہے۔اس کے ساتھ ہی آپ،سلسلۂ عالیہ قادریہ کو افضلُ السلاسل،قرار دیتے ہیں۔چنانچہ،ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

''ہمارے نزدیک،خاندانِ عالی شان قادری،سب خاندانوں سے اعلیٰ وافضل ہے۔''

(ص ۲۱۴۔فتاویٰ رضویہ، جلد دوازدہم، رضا اکیڈمی بمبئی۔وص ۵۷۶۔فتاویٰ رضویہ، مترجَم جلد ۲۶۔رضا فاؤنڈیشن لاہور)

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:

''سلاسل واَسانیدِ اولیاے کرام کا کیا کہنا۔خصوصاً، سلسلۂ عالیہ علیہؔ حضور پُرنور،سیدنا غوثِ اعظم،قطبِ عالَم،صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی جَدّہٖ الْکرِیمہ وَآبائہٖ الْکرام وَعَلَیْہِ وَسَلَّم۔''

(ص ۴۶۶۔فتاویٰ رضویہ،مترجَم۔جلد ۲۱۔رضا فاؤنڈیشن لاہور)

اولیاے کرام کی ایک دوسرے پر تفضیل،کوئی اعتقادی مسئلہ نہیں۔چنانچہ،ایک سوال کہ سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دوسرے اکابر اولیاے کرام سے افضل سمجھنے کا عقیدہ رکھنا،جائز ہے، یا نہیں؟اس کے جواب میں امام احمد رضا بریلوی تحریر فرماتے ہیں:

''عقیدہ، وہ چیز ہے، جس کا اعتقاد،مدارِسُنّیت اوراس کا انکار، بلکہ اس میں تردّد گمراہی وضلالت۔اس قسم کے اُمور،ان مسائل سے،نہیں ہوتے۔''الخ

(ص ۲۲۲۔فتاویٰ رضویہ،جلد دوازدہم،رضا اکیڈمی بمبئی)

آپ کے قلب وروح اور پورے وجود پر قادری رنگ اتنا غالب تھا کہ:

اپنے قادری مشائخِ طریقت ہی کو ذریعۂ فیضان سمجھ کر،ان سے ہی ہمہ وقت،اِستمداد کیا کرتے تھے اوران کی تعریف وتوصیف میں رطب اللِسان رہا کرتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ آپ کی منظوم منقبتیں،صرف،مشائخِ قادریہ کے اوصاف وکمالات ومحامد ومحاسن پر مشتمل ہیں اوردیگر مشائخِ سلاسل

سے حسنِ عقیدت کے باوجود آپ نے ان میں سے کسی کی منظوم منقبت نہیں لکھی۔ آپ کی تحریر کردہ کوئی منقبت نہ محض شاعرانہ ہے، نہ ہی پیشہ ورانہ۔ بلکہ سبھی منقبتیں آپ کی قلبی کیفیات و واردات کا آئینہ ہیں، جن میں آپ کے قادری مشائخِ کرام بالخصوص، قطب ربّانی، غوثِ صمدانی، محبوب سبحانی، حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انوار وتجلیات کی ضوفشانی ہے۔ جہاں کوئی آورد نہیں، آمد ہی آمد ہے۔ اور آپ کے نہاں خانۂ قلب میں کسی طرح کا تکلف وتصنع نہیں۔ بلکہ ہر طرف، حسنِ فطرت کی کرشمہ سازی ہے۔ ہر سَمت، نَوائے حقیقت کا سوز وساز ہے۔ اور ہر چہار جانب، صفا ووفا کا پرتوِ جمال اور، رَعنائِ خیال ہے۔

ہاں! اگر آپ نے غیر قادری مشائخِ کرام میں سے کچھ کی منقبت لکھی ہوتی اور بعض اہم شخصیات کی منقبتیں نہ ہوتیں، تو شاید کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا کہ ایسا کیوں ہوا؟ اگر چہ یہ بھی کوئی قابلِ انگشت نمائی بات نہ ہوتی۔ کیوں کہ جس طرح کوئی عالم ومحقق ومصنف کچھ موضوعات پر دادِ تحقیق دیتا ہے ۔اور بہت سے موضوعات پر خامہ فرسائی نہیں کرپاتا ہے، تو اس کا یہ مطلب، ہرگز نہیں ہوتا کہ: اسے باقی موضوعات کی اہمیت وعظمت سے کوئی اجتناب واحتراز یا کسی طرح کا تردّد وانکار ہے، ایسے وساوس واَوہام اسی شخص کے دل میں پیدا ہو سکتے ہیں جو بدگمانی کے مرض میں مبتلا اور اس گناہ کے اِرتکاب کا عادی ہو۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ اپنی نا سمجھی سے ایسی بات سوچ رہا ہو۔ اور اس کا بھی احتمال ہے کہ وہ محض شرانگیزی کی نیت سے اس طرح کے شوشے چھوڑ رہا ہو۔ کچھ اسی طرح کی حرکت، وہابیہ دیابنہ، باربار کرتے ہیں اور عُلمائے اہلِ سنّت و جماعت کو چھیڑنے اور انہیں چڑھانے کے لیے تحریراًو تقریراً، یہ شوشہ بازی کرتے رہتے ہیں کہ:

آپ کے مولانا احمد رضا بریلوی، بہت بڑے عاشقِ رسول بنتے ہیں۔ اور آپ لوگ بھی، ان کے عاشقِ رسول ہونے کا صبح وشام، چرچا کرتے رہتے ہیں۔ مگر انہیں اس کی توفیق نہ ہوسکی کہ وہ ''سیرتِ رسول'' پر کوئی کتاب لکھ سکیں۔

ایسے لوگوں کو عُلمائے اہل سنّت، باربار جواب دیتے ہیں کہ: امام احمد رضا بریلوی کوئی خاص موضوع منتخب کر کے دیگر مصنفین کی طرح اپنی کتب ورسائل نہیں لکھا کرتے تھے۔ وہ بنیادی طور پر ایک فقیہ ومفتی تھے اور ان کی ساری زندگی، فقہ وافتا کی خدمت میں گزری۔ ان کے پاس عرب وعجم سے ہمیشہ، سیکڑوں دینی سوالات آتے رہتے تھے جن کے جوابات لکھنے لکھانے ہی میں آپ کا سارا وقت گزر جاتا تھا۔ اور یہ خدمت اُس خدمت سے بڑی ہے، جو ان کے معاصر مصنفین نے انجام دی ہیں۔

آپ ،تقدیسِ الوہیت و تعظیمِ نبوت کواہلِ ایمان کے دلوں میں راسخ کرنے کی مہم میں تاحیات سرگرمِ عمل رہے۔سیدالانبیاء والمرسلین، خاتم النّبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت و ناموس کاتحفظ اورمنکرینِ عظمتِ رسول کا تعاقب کرنے میں اپنی ساری علمی وفکری توانائی آپ نے صَرف کردی۔ یہ کارنامہ، سیرتِ رسول پر کوئی کتاب لکھنے سے زیادہ عظیم ہے۔وغیرہ وغیرہ۔مگر ایسے اطمینان بخش جواب کے باوجود، وہابیہ دیابنہ پلٹ کریہی بات، باربار، دہراتے رہتے ہیں کہ:

آخر،مولانا احمد رضا بریلوی نے سیرتِ رسول پر کوئی کتاب کیوں نہیں لکھی؟ وہابیہ کی اس حرکت کوشر پسندی وفتنہ انگیزی کے سِوا،اور کیا کہا جاسکتا ہے؟ راہِ تصوف اور بابِ مناقب میں امام احمد رضابریلوی کا طرزِ فکروعمل سمجھنے کے لیے یہ مستند واقعہ، ملاحظہ فرمائیں۔ایک سوال کے جواب میں آپ،تحریر فرماتے ہیں:

''حضور پُرنور،سیدُ الاولیاءِ الکرام، امامُ العُر فاءِ العِظام، حضرت سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت سیدی علی بن ھیتی قُدِّسَ سِرُّہٗ الْمَلَکُوتِی کے یہاں، رونق افروز ہوئے۔حضرت علی بن ہیتی نے اپنے مریدِ خاص، ولیِ بااختصاص، سیدی ابوالحسن علی جوسقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کوحکم دیا کہ خدمتِ حضرت غوثیت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ملازمت اختیار کریں۔اور یہ پہلے فرما چکے تھے کہ:

میں (علی بن ہیتی) حضور پُر نور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلاموں سے ہوں۔سیدابوالحسن (جوسقی) قُدِّسَ سِرُّہٗ، پیرسے یہ کچھ سن کر،اس پر رونے لگے۔ اورآستانۂ پیر کو چھوڑنا، کسی طرح نہ چاہا۔حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے روتا دیکھ کرفرمایا:

مَا یُحِبُّ اِلاَّ الثَّدْیَ الَّذِی رُضِعَ مِنْہُ۔

''جس پستان سے دودھ پیاہے،اس کے غیر کونہیں چاہتا۔''

انہیں حکم دیا کہ اپنے پیرکی ملازمت میں رہیں۔اخرج سیدی الامام نورالدین ابوالحسن علی بن یوسف اللَّخمی قُدِّسَ سِرُّہٗ فِی ''بھجۃ الاسرار ومعدن الانوار'' بسندٍ صحیحٍ عن سیدی ابی حفص عمر البزار قَدَّسَ اللہُ تعالیٰ سِرُّہٗ۔(ص ۷۷ ۴۔فتاویٰ رضویہ ،مترجم،جلد ۲۱۔رضافاؤنڈیشن لاہور)

اورایک عرض کے جواب میں امام احمد رضابریلوی ارشادفرماتے ہیں،عرض وارشاد، دونوں ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

عرض: حضرت سیدی احمد زروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے:

جب کسی کو کوئی تکلیف پہنچے، یا زروق کہہ کر ندا کرے۔ میں فوراً اس کی مدد کروں گا۔

ارشاد: مگر میں نے کبھی اس قسم کی مدد نہ طلب کی۔ جب کبھی میں نے استعانت کی یاغوث ہی کہا۔ یک در گیر محکم گیر۔

میری عمر کا تیسواں سال تھا کہ حضرت محبوبِ الٰہی (خواجہ نظام الدین اولیا، چشتی، دہلوی) کی درگاہ میں حاضر ہوا۔ اِحاطہ میں، مزامیر وغیرہ کا شور مچا تھا۔ طبیعت، منتشر ہوتی تھی۔ میں نے عرض کیا: حضور! میں آپ کے دربار میں حاضر ہوا ہوں، اس شور وشغب سے مجھے نجات ملے۔ جیسے ہی پہلا قدم، روضۂ مبارک میں رکھا ہے کہ: معلوم ہوا، سب ایک دَم چپ ہو گئے۔ میں نے سمجھا کہ واقعی، سب لوگ، خاموش ہو گئے۔ قدم درگاہ شریف سے باہر نکالا، پھر وہی شور وغل تھا۔ پھر اندر قدم رکھا، پھر وہی خاموشی۔ معلوم ہوا کہ یہ سب، حضرت کا تصرُّف ہے۔ یہ بیِن کرامت دیکھ کر مدد مانگنی چاہی۔ بجائے حضرت محبوب الٰہی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نامِ مبارک کے یاغَوثَاہ، زبان سے نکلا۔ وہیں میں نے اکسیرِ اعظم قصیدہ بھی تصنیف کیا۔ (پھر ارشاد فرمایا) اِرادت، شرطِ اہم ہے۔ بیعت میں بس، مرشد کی ذرا سی توجہ، درکار ہے۔ اور دوسری طرف اگر اِرادت نہیں تو کچھ نہیں ہوسکتا۔ ایک صاحب، حضور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلاموں میں سے تھے۔ انہوں نے واقعہ میں یعنی سوتے جاگتے میں دیکھا کہ: ایک ٹیلہ پر، یاقوت کی کرسی بچھی ہے۔ اس پر حضرت سیدنا جنید، بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف فرما ہیں اور نیچے ایک مخلوق، جمع ہے۔ ہر ایک اپنی اپنی چٹھی دیتا ہے۔ حضرت اس کو بارگاہ رب العزت میں پیش کرتے ہیں۔ یہ چپکے کھڑے رہے۔ جب حضرت نے بہت دیر تک انہیں دیکھا اور انہوں نے کچھ نہ کہا تو خود فرمایا "هَاتِ اعرِضْ قِصَّتَكَ" لاؤ کہ میں تمہاری عرضی پیش کروں۔

انہوں نے عرض کیا: اَوَشَيْخِي عَزَلُوْهُ۔ کیا، میرے شیخ کو معزول کردیا گیا؟

فرمایا: وَاللّٰهِ مَاعَزَلُوْهُ وَلَنْ يَعْزَلُوهُ۔ خدا کی قسم! ان کو معزول نہیں کیا اور نہ کبھی ان کو معزول کریں گے۔ انہوں نے عرض کی: تو بس، میرا شیخ کافی ہے۔

آنکھ کھلی، حاضر ہوئے، دربار میں سرکار غوثیت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کہ واقعہ، عرض کریں۔ قبل اس کے کہ کچھ عرض کریں، حضور نے ارشاد فرمایا: هَاتِ اَعرِض قِصَّتَكَ۔ لاؤ کہ تمہاری عرضی، پیش کردوں۔ (فرمایا) اِرادت، یہ ہے۔ ہمہ شیرانِ جہاں، بستۂ ایں سلسلہ اند۔ (پھر فرمایا) جب تک، مرید، یہ اعتقاد نہ رکھے کہ میرا شیخ تمام اولیاے زمانہ سے میرے لیے بہتر ہے، نفع نہ پائے گا۔

علی بن ھیتی نے جو حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاص خلیفہ ہیں ایک بار، حضور کی دعوت

کی۔ ان کے خاص مرید تھے، حضرت علی جوسقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، یہ کھانا لائے۔ خیال کرتے ہیں کہ روٹیاں، کس کے سامنے پہلے رکھوں؟ اپنے شیخ کے سامنے رکھتا ہوں تو حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان کے خلاف ہے۔ اور اگر حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے رکھتا ہوں، تو اِرادت تقاضا نہیں کرتی۔ انہوں نے اس طرح، روٹیاں گھمائیں کہ دونوں کے حضور، ایک ساتھ، جا کر گریں۔ حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: یہ مرید، تمہارا بہت باادب ہے۔ علی بن ہیتی نے عرض کیا: بہت ترقیاں کر چکا ہے۔ اب اس کو حضور اپنی خدمت میں لیں۔ علی جوسقی یہ سنتے ہی ایک کونہ میں گئے اور رونا شروع کیا۔ حضور نے فرمایا: اس کو اپنے ہی پاس رہنے دو۔ جس پستان کا پلا ہوا ہے، اسی سے دودھ پیے گا۔ دوسرے کو نہیں چاہتا۔

(پھر فرمایا) اپنے تمام حوائج میں اپنے شیخ ہی کی طرف رجوع کرے۔

(ص ۵۵ و ۵۶۔ الملفوظ، حصہ سوم، رضا اکیڈمی بمبئی)

گویا کہ امام احمد رضا بریلوی اپنے اِن اشعار کی عملی تصویر اور غیرت وحمیتِ قادریت وجذبۂ احسان شناسی کے پیکر تھے ؎

تجھ سے دَر، در سے سگ، سگ سے ہے مجھ کو نسبت
میری گردن میں بھی ہے دور کا ڈورا تیرا
اس نشانی کے جو سگ ہیں، نہیں مارے جاتے
حشر تک میرے گلے میں رہے پٹّا تیرا
میری قسمت کی قسم کھائیں، سگانِ بغداد
ہند میں بھی ہوں تو دیتا رہوں، پہرا تیرا
تیری عزت کے نثار، اے مِرے غیرت والے
آہ صد آہ! کہ یوں خوار ہو، بُروا تیرا

☆☆☆

سر توئی، سرور توئی، سررا، سر و ساماں توئی
جاں توئی، جاناں توئی، جاں را، قرارِ جاں توئی
بہرِ پایت خواجۂ ہنداں شہِ کیواں جناب
بَلْ عَلیٰ عَیْنِی وَرَأْسِی، گوید آں خاقاں توئی

بندہ اَتْ، غیرت بُرد، گر، بردرِ غیرت رَود
وَرْ رَود چوں بنگرد، ہم شاہِ آں ایواں توئی

امام احمد رضا بریلوی ،صرف حضور سیدنا غوثِ اعظم، شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دست گیری پر قربان نہیں تھے، بلکہ عطاے رسول، سلطان الہند، حضور سیدنا معینُ المِلَّۃ وَالدین، خواجہ غریب نواز اجمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شانِ غریب نوازی وفیض رسانی کا بھی آپ اپنی مجلسوں اور تحریروں میں چرچا کیا کرتے تھے۔ چنانچہ، ایک استفتا کے جواب میں آپ ، پورے یقین واِذعان کے ساتھ،تحریر فرماتے ہیں:

''حضور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ضرور، دست گیر ہیں۔اور حضرت سلطان الہند، معینُ الحقِ وَالدین،ضرور غریب نواز۔''

(ص ۴۳۔فتاویٰ رضویہ۔جلدِ یازدہم۔مطبوعہ: رضا اکیڈمی بمبئی)

غلام معین الدین اور اجمیر شریف، نہ لکھنے والے کے خلاف آپ کا یہ تیور بھی کتنا پُرجلال ووہابیت کش اور رُوح پرور وعقیدت افروز ہے، جسے ذیل کے سوال وجواب میں ملاحظہ فرمائیں۔

مسئلہ: ازسرکار اجمیر مقدس۔لنگرگلی۔مسئولہ: حکیم غلام علی صاحب۔۶رشوال ۱۳۳۹ھ

اگرکوئی مولوی اپنے مدرسہ کے دروازہ پر، اور خلافت کے بورڈ پر،اور خلافت کی ٹوپی پر اور خلافت کی رسید پر، فقط اجمیر لکھے۔کیا، اجمیر کے ساتھ، لفظ شریف نہ لکھنا اور اصلی نام، غلام معین الدین پر غلام نہ لکھنا، خلافِ عقیدۂ اہلِ سنّت ہے یا نہیں؟ بَیِّنُوا تُوْجَرُوْا۔

جواب: ''اجمیر شریف کے نامِ پاک کے ساتھ، لفظ شریف نہ لکھنا اور ان تمام مواقع میں اس کا التزام نہ کرنا، اگر اِس بنا پر ہے کہ حضور سیدنا خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جلوہ افروزیِ حیاتِ ظاہری ومزارِ پُرانوار کو (جس کے سبب، مسلمان، اجمیر شریف کہتے ہیں) وجہِ شرافت نہیں جانتا، تو گمراہ، بلکہ عدُوُّ اللہ ہے۔

صحیح بخاری شریف میں ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

اللہ عَزَّ وَجَلّ، ارشاد فرماتا ہے: مَنْ عَادیٰ لِی وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ۔ اور، اگر، یہ ناپاک التزام، بربنائے کسل وکوتاہ قلمی ہے، تو سخت بے برکتی وفضلِ عظیم وخیرِ جسیم سے محرومی ہے۔ کَمَا اَفَادَہٗ الْاِمَامُ الْمُحَقِّق مُحْیُّ الدِّیْن اِبُوزکریَّا، قُدِّسَ سِرُّہٗ فِی الثَّرضی۔

اور اگر، اس کا مبنیٰ ، وہابیت ہے، تو وہابیت کفر ہے۔اس کے بعد ایسی باتوں کی کیا شکایت؟ مَا

عَلٰی مِثْلِہٖ یُعَدُّ الْخَطَاءِ۔

اپنے نام سے غلام کا حذف، اگر اس بنا پر ہے کہ: حضور خواجۂ خواجگان رضی اللہ تعالیٰ عنہ وَ عَنْہُم کا غلام بننے سے انکار واِستکبار رکھتا ہے تو بدستور، گمراہ، اور بحکمِ حدیثِ مذکور، عدوُّ اللہ ہے۔ اور اس کا ٹھکانہ، جہنم ہے۔

قَالَ تَعَالٰی: اَلَیْسَ فِی جَھَنَّمَ مَثْوًی لِّلْمُتَکَبِّرِیْنَ۔

اور اگر، بر بنائے وہابیت ہے کہ غلامِ اولیاے کرام بننے والوں کو مشرک اور غلام معین الدین کو شرک جانتا ہے، تو وہابیہ، خود، زندیق، بے دین، کفار و مرتدین ہیں۔

وَلِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابٌ مُّھِیْنٌ۔ وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ۔

(ص ۱۸۷ و ۱۸۸۔ فتاویٰ رضویہ، جلد ششم۔ مطبوعہ: رضا اکیڈمی بمبئی)

حضرت سیدنا معین الْمِلَّۃِ وَالدین، خواجہ غریب نواز اجمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فیوض و برکات اور منکرینِ فیضانِ خواجہ غریب نواز کا ذکر کرتے ہوئے ایک مجلس میں امام احمد رضا بریلوی، ارشاد فرماتے ہیں:

''حضرت خواجہ کے مزار سے بہت کچھ فیوض و برکات، حاصل ہوتے ہیں۔ مولانا برکات احمد صاحب (بریلوی) مرحوم، جو میرے پیر بھائی اور میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے، انہوں نے مجھ سے بیان کیا کہ:

میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ایک ہندو، جس کے سر سے پیر تک، پھوڑے تھے۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ کس قدر تھے۔ ٹھیک دوپہر کو آتا اور درگاہ شریف کے سامنے، گرم کنکروں اور پتھروں پر لوٹتا اور کہتا کہ: خواجہ! اَگن لگی ہے۔ تیسرے روز میں نے دیکھا کہ بالکل اچھا ہو گیا۔

بھاگل پور سے ایک صاحب، ہر سال، اجمیر شریف حاضر ہوا کرتے تھے۔ ایک وہابی رئیس سے ملاقات تھی۔ اس نے کہا: میاں! ہر سال، کہاں جایا کرتے ہو؟ بے کار اتنا روپیہ، صَرف کرتے ہو۔ انہوں نے کہا: چلو اور انصاف کی آنکھ سے دیکھو۔ پھر تم کو اختیار ہے۔ خیر! ایک سال، وہ ساتھ میں آیا۔ دیکھا کہ:

ایک فقیر، سونٹا لیے روضہ شریف کا طواف کر رہا ہے۔ اور یہ صدا لگا رہا ہے:

''خواجہ! پانچ روپے لوں گا۔ اور ایک گھنٹہ کے اندر لوں گا۔ اور ایک ہی شخص سے لوں گا۔''

جب، اس وہابی کو خیال ہوا کہ اب بہت وقت گزر گیا۔ ایک گھنٹہ ہو گیا ہوگا۔ اور اب تک اسے کسی

نے کچھ نہ دیا۔ جیب سے پانچ روپے نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھے اور کہا:

لو میاں! تم خواجہ سے مانگ رہے تھے، بھلا خواجہ کیا دیں گے؟ لو ہم دیتے ہیں۔ فقیر نے، وہ روپے تو جیب میں رکھے اور ایک چکر لگا کے زور سے کہا: خواجہ! تورے بلہاری جاؤں۔ دِلوائے بھی تو کس خبیث منکر سے۔''   (ص ۴۴۔ الملفوظ۔ حصہ سوم، مطبوعہ: رضا اکیڈمی بمبئی)

اَحۡسَنُ الۡوِعَاء لِآدَابِ الدُّعَا۔ مؤلّفہ: حضرت مولانا نقی علی، قادری، برکاتی، بریلوی کی شرح کرتے ہوئے: ذَیۡلُ الۡمُدَّعَا لِاَحۡسَنِ الۡوِعَا میں امام احمد رضا بریلوی، رقم طراز ہیں کہ:

وہ چوالیس مقامات، جہاں دُعا، زیادہ قبول ہوتی ہے، ان میں ایک مزارِ حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری بھی ہے۔ چنانچہ، آپ لکھتے ہیں:

''سی ونہم ۳۹۔: مَرقدِ مبارک، حضرت خواجہ غریب نواز معین الحق والدّین، چشتی قُدِّسَ سِرُّہٗ''

(ص ۵۹۔ اَحۡسَنُ الۡوِعَا مَعَ شَرۡحِہٖ ذَیۡلِ الۡمُدَّعَا۔ مطبوعہ: مکتبۃ المدینہ کراچی)

وہ چالیس مقاماتِ مقدسہ، جہاں، دُعائیں زیادہ قبول ہوتی؛ ان کا نمبروار ذکر کرتے ہوئے آخر میں امام احمد رضا بریلوی تحریر فرماتے ہیں:

چہل و چہارم ۴۴۔ اسی طرح، تمام اولیا و صُلحا و محبوبانِ خدا تعالیٰ کی بارگاہیں خانقاہی آرام گاہیں۔ نَفَعَنَا اللّٰہُ تَعَالیٰ بِبَرَکَاتِہِمۡ فِی الدُّنۡیَا وَالۡآخِرَۃِ۔ آمین۔

سترہویں شب، ماہِ فاخر، ربیع الآخر ۱۲۹۳ھ میں کہ فقیر کا اکیسواں سال تھا، اعلیٰ حضرت، مصنّفِ علاّم سیدنا الوالد قُدِّسَ سِرُّہٗ الۡمَاجِد و حضرت محب الرسول جناب مولانا مولوی محمد عبد القادر صاحب، قادری، بدایونی دَامَتۡ بَرَکَاتُہُمۡ الۡعَالِیَۃ کے ہمراہِ رکاب حاضرِ بارگاہِ بے کس پناہ حضور پُرنور، محبوبِ الٰہی نظام الحق والدین، سلطان الاولیاء رَضِیَ اللّٰہ تَعَالیٰ عَنۡہُ وَعَنۡہُمۡ ہوا۔

......دونوں حضراتِ عالیہ اپنے قلوبِ مطمئنہ کے ساتھ، حاضرِ مواجہۂ اقدس ہو کر مشغول ہوئے۔ اس فقیرِ بے توقیر نے ہجومِ شور وشر سے خاطر پریشان پائی۔ دروازۂ مطہّرہ پر کھڑے ہو کر حضرت سلطان الاولیاء سے عرض کی کہ: اے مولیٰ! غلام جس لیے حاضر ہوا، یہ آوازیں، اس میں خلل انداز ہیں۔ (لفظ یہی تھے، یا ان کے قریب، بہر حال، مضمونِ عریضہ یہی تھا) یہ عرض کر کے بسم اللہ کہہ کر داہنا پاؤں، دروازۂ حُجرۂ طاہرہ میں رکھا۔ بعونِ ربِ قدیر، وہ سب آوازیں، دفعتہً گم تھیں۔ مجھے گمان ہوا کہ یہ لوگ خاموش ہو رہے ہے۔ پیچھے مُڑ کر دیکھا، تو وہی بازار گرم تھا۔ قدم کہ (اندر) رکھا تھا، باہر ہٹایا، پھر آوازوں کا وہی جوش پایا۔ پھر بِسۡمِ اللّٰہ کہہ کر داہنا پاؤں اندر رکھا۔ بِحَمۡدِ اللّٰہ پھر، ویسے ہی کان،

ٹھنڈے تھے۔ اب معلوم ہوا کہ یہ مولیٰ کا کرم اور حضرت سلطان الاولیاء کی کرامت اور اس بندۂ ناچیز پر، رحمت و معونت ہے۔ شکرِ الٰہی بجالایا اور حاضرِ مواجھۂ عالیہ ہو کر مشغول رہا۔ کوئی آواز نہ سنائی دی۔ جب باہر آیا، پھر وہی حال تھا کہ خانقاہِ اقدس کے باہر قیام گاہ تک پہنچنا دُشوار ہوا۔

فقیر نے یہ اپنے اوپر گزری ہوئی گزارش کی کہ: اول، تو وہ نعمتِ الٰہی تھی۔ اور رب عزَّ وجَلّ فرماتا ہے:

وَاَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ۔ ''اپنے رب کی نعمتیں، لوگوں سے خوب بیان کرو۔''

مع ھٰذا، اس میں غلامانِ اولیاے کرام کے لیے بشارت اور منکروں پر، بلاوحسرت ہے۔ الٰہی! صدقہ اپنے محبوبوں کا۔ ہمیں، دُنیا وآخرت وقبر وحشر میں اپنے محبوبوں کے برکاتِ بے پایاں سے بہرہ مند فرما۔ آمین۔

(ص ۶۰ و ۶۱۔ ذَیۡلُ الۡمُدَّعَا لِاَحۡسَنِ الدُّعا۔ مؤلّفہ: امام احمد رضا بریلوی۔ مطبوعہ۔ مکتبۃ المدینہ کراچی)

بارگاہِ سلطان الہند، حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں امام احمد رضا بریلوی کی حاضری بھی ہوا کرتی تھی۔

برہانِ مِلّت، حضرت مفتی محمد عبدالباقی برہان الحق، رضوی، جبل پوری (متوفی ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۴ء) تلمیذ وخلیفۂ امام احمد رضا بریلوی کے والد ماجد حضرت مولانا عبدالسلام، جبل پوری (متوفی ۱۳۷۲ھ/ ۱۹۵۲ء) نے امام احمد رضا بریلوی کے دوسرے سفرِ حج وزیارت (۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء) سے واپسی کے وقت بمبئی میں سفرِ جبل پور کی دعوت دی، تو امام احمد رضا بریلوی نے فرمایا کہ: ابھی مجھے اجمیر شریف کی حاضری دینی ہے۔ چنانچہ، اس سلسلے میں حضرت مفتی برہان الحق، جبل پوری لکھتے ہیں:

''اعلیٰ حضرت نے بمبئی سے بریلی شریف کا قصد کیا۔ والد ماجد نے جبل پور تشریف لے جانے کے لیے عرض کیا۔ فرمایا: ابھی تو اجمیر شریف، حاضری دیتا ہوا، بریلی جاؤں گا۔ ان شاء اللہ۔ پھر کبھی جبل پور آؤں گا۔'' (ص ۸۲۔ اِکرام امام احمد رضا۔ مرکزی مجلس رضا، لاہور۔ ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء)

سفرِ اجمیر شریف کا ایک مستند واقعہ، ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

علاّمہ نور احمد قادری (اسلام آباد، پاکستان) اپنے دادا، حاجی عبدالنبی قادری رضوی (متوفی ۱۹۴۹ء۔ کراچی) کی زبانی سنا ہوا ایک واقعہ، بیان کرتے ہیں۔

یہ راوی، حاجی عبدالنبی قادری، رضوی، امام احمد رضا بریلوی کے مرید تھے۔اور یہ واقعہ امام احمد رضا بریلوی کے آخری ایامِ حیات کا ہے۔علاّمہ نور احمد قادری لکھتے ہیں:

''ہوا یوں تھا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کا، سلطان الہند، خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیری کی خانقاہ میں عرسِ غریب نواز کے موقع پر وعظ ہوا کرتا تھا اور اس وعظ کا اہتمام خود خانقاہ شریف کے ''دیوان'' صاحب کیا کرتے تھے۔

جس میں عُلما و فُضَلا، دور دور سے آ کر وعظ سننے کے لیے شرکت کرتے۔بعض دفعہ، دَکن کے حکمران، نظامِ دکن، میر محبوب علی خان اور میر عثمان علی خاں بھی اس وعظ میں شریک ہوتے رہے۔اعلیٰ حضرت کا وعظ سننے کے لیے بے شمار خلقت، وہاں ہوا کرتی۔

اس مرتبہ، جب اعلیٰ حضرت، بریلی شریف سے اجمیر شریف، عرسِ خواجہ غریب نواز میں حاضری کے لیے جانے لگے، تو ان کے ہمراہ، دس گیارہ، ان کے مریدین بھی تھے۔ انہیں میں ایک، راقم الحروف کے استادِ محترم، مولانا شاہ عبدالرحمٰن قادری جے پوری تھے، جو اعلیٰ حضرت کے شاگرد بھی تھے اور خلیفہ بھی۔اور دوسرے خود راقم الحروف کے دادا محترم حضرت حاجی عبدالنبی قادری تھے۔بقیہ اور حضرات تھے۔

دہلی سے اجمیر شریف تک جانے کے لیے ''بی بی اینڈ سی آئی آر'' ریل چلا کرتی تھی۔ دورانِ سفر جب یہ ریل گاڑی ''پُھلیرہ جنکشن'' پر پہنچتی، تو قریب قریب، مغرب کا وقت ہو جاتا تھا۔''پُھلیرہ'' اس دور کے ہند کا بہت بڑا ریلوے جنکشن ہوا کرتا تھا۔ جہاں، سانبھر، جودھ پور اور بیکانیر سے آنے والی گاڑیوں کا بھی کراس ہوا کرتا تھا۔

ان تمام دوسری لائنوں سے آنے والے مسافر، اجمیر شریف جانے کے لیے اسی میل گاڑی کو پکڑتے تھے، اس لیے یہ میل گاڑی، پُھلیرہ اسٹیشن پر تقریباً چالیس منٹ ٹھہرا کرتی تھی۔

خود راقم الحروف نے بھی پارٹیشن (۱۹۴۷ء) سے قبل کے دَور میں اجمیر شریف حاضری دینے کے لیے اسی گاڑی سے کئی بار، سفر کیا، اور پُھلیرہ جنکشن کا حال دیکھا۔

بہر کیف! جب اعلیٰ حضرت سفر کر رہے تھے، تو پُھلیرہ جنکشن پر پہنچتے ہی مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا۔اعلیٰ حضرت نے اپنے ساتھ والے مریدین سے فرمایا کہ: نمازِ مغرب کے لیے جماعت پلیٹ فارم پر ہی کر لی جائے۔ چنانچہ، چادریں بچھا دی گئیں اور لوگوں میں سے جن کا وضو نہ تھا، انہوں نے تازہ وضو کر لیا۔

اعلیٰ حضرت ہر وقت باوضو رہتے۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ: میرا وضو ہے، اور امامت کے لیے آگے بڑھے۔ اور پھر فرمایا کہ: آپ سب لوگ پورے اطمینان کے ساتھ، نماز ادا کریں۔

اِنْ شَاءَ اللہ گاڑی، ہرگز اُس وقت تک نہ جائے گی، جب تک کہ ہم لوگ نماز پورے طور سے ادا نہیں کر لیتے ہیں۔ آپ لوگ، قطعاً اس بات کی فکر نہ کریں۔ اور پوری یکسوئی کے ساتھ نماز ادا کریں۔ یہ فرما کر، اعلیٰ حضرت نے امامت کرتے ہوئے نماز پڑھنا شروع کر دی۔ مغرب کے فرض کی جب ایک رکعت ختم کر چکے، تو ایک دَم گاڑی نے وِہشل (Whistle) دے دی۔

پلیٹ فارم پر دیگر بکھرے ہوئے مسافر تیزی کے ساتھ اپنی اپنی سیٹوں پر گاڑی میں سوار ہو گئے، مگر آپ کے پیچھے، نمازیوں کی یہ جماعت پورے استغراق کے ساتھ نماز میں اسی طرح، برابر مشغول رہی۔

دوسری رکعت، مغرب کے فرض کی ہو رہی تھی کہ گاڑی نے اب تیسری اور آخری وِہشل بھی دے دی۔ مگر ہوا کیا کہ ریل کا انجن، آگے کو نہ سرکتا تھا۔ میل (Mail) گاڑی تھی۔ کوئی معمولی پسنجر گاڑی نہ تھی۔ اس لیے ڈرائیور اور گارڈ، سب پریشان ہو گئے کہ آخر یہ ہوا کیا کہ گاڑی آگے نہیں جاتی؟ کسی کی سمجھ میں نہیں آیا۔ انجن کو ٹیسٹ کرنے کے لیے ڈرائیور نے گاڑی کو پیچھے کی طرف ڈھکیلا تو گاڑی پیچھے کی سمت چلنے لگی۔ انجن بالکل ٹھیک تھا۔ مگر جب ڈرائیور اسی انجن کو آگے کی طرف ڈھکیلتا، تو انجن رک جاتا تھا۔ اتنے میں اسٹیشن ماسٹر، جو انگریز تھا، اپنے کمرہ سے نکل کر پلیٹ فارم پر آیا۔ اور اس نے ڈرائیور سے کہا کہ انجن کو گاڑی سے کاٹ کر دیکھو۔ آیا چلتا ہے، یا نہیں؟

چنانچہ، اس نے ایسا ہی کیا۔ انجن کو گاڑی سے کاٹ کر جب چلایا، تو بخوبی پوری رفتار سے چلا۔ کوئی بھی خرابی اس میں نظر نہ آئی۔ مگر جب ریل کے ڈبوں کے ساتھ جوڑ کر اسی انجن کو چلایا گیا، تو وہ پھر اسی طرح جام ہو گیا، اور ایک انچ بھی آگے کو نہ چلا۔ ریل کا ڈرائیور اور سب لوگ، بڑے حیران و پریشان کہ آخر یہ ماجرا کیا ہے کہ: انجن، ریل کے ساتھ جُڑ کر آگے کو نہیں جاتا؟ اسٹیشن ماسٹر نے گارڈ سے پوچھا، جو نمازیوں کے قریب ہی کھڑا تھا کہ: یہ کیا بات ہے کہ انجن الگ کرو، تو چلنے لگتا ہے اور ڈبوں کے ساتھ جوڑو تو بالکل پٹری پر جام ہو کر رہ جاتا ہے؟ وہ گارڈ مسلمان تھا۔ اس کے ذہن میں بات آ گئی، اس نے اسٹیشن ماسٹر کو بتایا کہ: سمجھ میں یہ آتا ہے کہ یہ بزرگ جو نماز پڑھا رہے ہیں، کوئی بہت بڑے ولی اللہ معلوم ہوتے ہیں، یقیناً اس کے علاوہ اور کوئی ٹیکنیکل وجہ نہیں۔ اب جب تک کہ یہ بزرگ اور ان کی جماعت، نماز ادا نہیں کر لیتی، یہ گاڑی مشکل ہے کہ چلے۔ یہ خدائے تعالیٰ کی طرف

سے،ان ولی اللہ کی کرامت معلوم ہوتی ہے۔بس اب ان کے نماز ادا کرنے تک تو انتظار ہی کرنا پڑے گا۔اسٹیشن ماسٹر کو یہ بات سمجھ میں آگئی اور وہ کہنے لگا کہ بِلاشبہ، یہی بات معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ نمازیوں کی جماعت کے قریب آکر کھڑا ہوگیا۔نماز میں اعلیٰ حضرت کا اوران کے مریدین کا،اس قدرِاستغراقِ عبادت اورخشوع وخضوع کا یہ روح پرور منظر دیکھ کروہ بے حد متاثر ہوا۔انگریزی،اس کی مادری زبان تھی،مگر وہ اردو اور فارسی کا بھی ماہر تھا۔اور بے تکلف اردو میں کلام کرتا تھا۔گارڈ کے ساتھ اس کی یہ ساری گفتگو،اردو ہی میں تھی۔غرض اعلیٰ حضرت،عظیم البرکت نے سلام پھیرا اور بآوازِ بلند درود شریف پڑھ کر دُعا مانگنے میں مصروف ہوگئے۔جب یہ دُعا سے فارغ ہوئے تو آگے بڑھ کر نہایت ادب کے ساتھ اسٹیشن ماسٹر (انگریز) نے اردو ہی میں عرض کیا کہ: حضرت! ذرا جلدی فرمائیں۔یہ گاڑی آپ ہی کی مصروفیتِ عبادت کے سبب،چل نہیں رہی ہے۔اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ:

بس ابھی نماز پڑھ کر ہم لوگ تھوڑی دیر میں فارغ ہوں گے اور اِنۡ شَآءَ اللّٰہ پھر گاڑی چلے گی۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ نماز کا وقت ہے۔کوئی بھی سچا مسلمان،نماز قضا نہیں کرسکتا۔نماز ہر مسلمان پر فرض ہے۔فرض کو کیسے چھوڑا جائے؟

گاڑی اِنۡ شَآءَ اللّٰہ نہیں جائے گی،جب تک ہم لوگ، اطمینان کے ساتھ،نماز ادا نہیں کرلیتے۔اسٹیشن ماسٹر پر،اسلام کی روحانی ہیبت طاری ہوگئی۔

اعلیٰ حضرت اوران کے مریدین نے سکون کے ساتھ، جب نماز پورے طور پرادا کرلی اور دُعا پڑھ کر فارغ ہوئے،تو اعلیٰ حضرت نے پاس ہی کھڑے ہوئے انگریز اسٹیشن ماسٹر سے فرمایا کہ:اِنۡ شَآءَ اللّٰہ اب گاڑی چلے گی۔ہم سب لوگ نماز سے فارغ ہوگئے ہیں۔یہ کہا اور مع اپنے سب ہمراہیوں کے گاڑی میں بیٹھ گئے۔گاڑی نے سیٹی دی اور چلنے لگی۔اسٹیشن ماسٹر نے اپنے انداز میں سلام کیا اور آداب بجالایا۔مگر اس واقعۂ کرامت کا،اس کے ذہن اور دل پر بڑا گہرا اثر پڑا۔

بہرکیف! گاڑی کے ساتھ،اعلیٰ حضرت اوران کے یہ چند مریدین،تو اجمیر شریف روانہ ہوگئے، مگر اسٹیشن ماسٹر سوچ میں پڑ گیا۔رات بھر وہ اسی غور وفکر میں رہا، اس کو نیند نہ آئی۔صبح اُٹھا تو چارج اپنے ڈپٹی کے حوالہ کرکے اپنے افرادِ خاندان کے ساتھ حاضری کے لیے اجمیر شریف کو چل پڑا،تاکہ وہاں درگاہِ خواجہ غریب نواز میں حاضر ہوکر اعلیٰ حضرت کے دستِ مبارک پر اسلام قبول کرے۔جب اجمیر شریف پہنچا تو دیکھا کہ:

درگاہ شریف کی شاہجہانی مسجد میں اعلیٰ حضرت کا ایمان افروز وعظ ہورہا ہے۔وہ وعظ میں شریک

ہوا۔ بیان سنا، اور جب وعظ ختم ہوا تو قریب پہنچ کر اس نے اعلیٰ حضرت کے ہاتھ چوم لیے، اور عرض کیا کہ: جب سے آپ، پُھلیرہ اسٹیشن سے ادھر روانہ ہوئے ہیں میں اس قدر بے چین ہوں کہ مجھے سکون نہیں آتا۔ آخر اپنے افرادِ خاندان کے ہمراہ، یہاں حاضر ہو گیا ہوں اور اب آپ کے دستِ مبارک پر اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کی یہ روحانی کرامت دیکھ کر مجھے اسلام کی آسمانی صداقت کا یقینِ کامل ہو گیا ہے۔ اور مجھے پتہ چل گیا ہے کہ بس اسلام ہی خدائے تعالیٰ کا سچا دین ہے۔

چنانچہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی نے ہزار ہا زائرینِ دربارِ خواجہ غریب نواز کے سامنے، اس انگریز کو اور اس کے نو (۹) افرادِ خاندان کو وہیں کلمہ پڑھایا اور مسلمان کیا۔ اور خود اس کا اسلامی نام بھی غوثِ پاک کے نام پر 'عبدالقادر' رکھا۔ اس کا انگریزی نام رابرٹ (Robert) تھا۔ اور وہ رابرٹ صاحب کے نام سے مشہور تھا۔ آپ نے اس کو مسلمان کرنے کے بعد سلسلۂ قادریہ میں اپنا مرید بھی کیا اور پھر ہدایت فرمائی کہ:

ہمیشہ، اِتّباعِ سنّت کا خیال رکھنا۔ نماز کسی وقت نہ چھوڑنا، نماز روزہ کی پابندی، بہت ضروری ہے۔ اور جب موقع ملے، تو حج پہ بھی ضرور جانا اور زکوٰۃ ادا کرنا اور ہمیشہ، خدمتِ دین کا خیال رکھنا اس لیے کہ اسلام کا پھیلانا بھی قرآن پاک نے ہر مسلمان کے لیے ضروری قرار دیا ہے۔ اپنے وطن بھی جب جاؤ، تو وہاں بھی دین کو پھیلانے کی خدمت انجام دینا۔ یہ بہت بڑی سعادت ہے۔ اب خود بھی قرآنِ پاک کی تعلیم حاصل کرو۔ اور اپنے تمام افرادِ خاندان کو بھی قرآنِ پاک کی تعلیم دلواؤ۔ غرض آپ نے اسلام اس کے دل میں اُتار دیا اور اپنی عارفانہ جنبشِ نگاہ سے اس کے شیشۂ دل کو عشقِ رسول پاک (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے عطر سے بھر کر، اس کی روح کو مہکا دیا۔ وہ اسلام کا شیدا، اور وارفتہ ہو گیا۔ اس انگریز کے اس قبولِ اسلام کا یہ واقعہ، اس وقت کا ایک اہم واقعہ تھا۔ اس لیے کہ یہ انگریز کوئی معمولی درجہ کا انگریز نہ تھا، بلکہ ایسے گھرانے کا فرد تھا، جس کے بہت سے افراد ہندوستان میں اور اسی طرح انگلستان میں مناصبِ جلیلہ پر فائز تھے۔ اہلِ علم اور باوقار لوگ تھے اور عیسائی مشن کی بڑی سرپرستی کیا کرتے تھے۔ اس انگریز کے مع افرادِ خاندان، مسلمان ہو جانے کے اس واقعہ سے عیسائی مشنریوں کے جرگہ میں ہل چل پڑ گئی۔ مذہب کے میدان میں ان کی بوئی ہوئی ساری سفید کپاس جل گئی۔ یعنی گورے گھبرا گئے۔ ان کے پادری بوکھلا گئے۔ یہ کیا کم انقلابی واقعہ تھا؟

پھر اس نَومسلم انگریز نے جیسا کہ بزرگوں نے بتایا زندگی بھر اسلام کی بڑی خدمت کی۔ وہ قرآنِ کریم، ختم کرنے کے بعد ہندوستان سے وطن واپس لوٹ گیا، اور وہاں جا کر اسلام کی خدمت کے لیے

وقف ہوگیا۔

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کی روحانی کرامت اور عارفانہ جنبشِ نگاہ نے اس کی ساری کایا پلٹ دی۔ اسے آشنائے عشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کر کے، کام کا آدمی بنادیا۔ منزل پر پہنچادیا، اور اس کو ملتِ اسلامیہ کا ایک مستحکم ستون بنادیا۔''

(ص ۱۵۷ تا ۱۶۱۔ سال نامہ، معارفِ رضا، کراچی۔ مطبوعہ ۱۴۰۴ھ/ ۱۹۸۳ء۔ از ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کراچی)

بارگاہِ سلطان الہند، خواجہ غریب نواز سے روحانی نسبت و تعلق ہی کا ثمرہ تھا کہ: جب امام احمد رضا حنفی قادری برکاتی بریلوی کا وصال (۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء) ہوا، تو ملک کے مختلف شہروں کی طرح سرکارِ اعظم، اجمیرِ معلیٰ میں بھی اہتمام کے ساتھ آپ کی فاتحۂ سوم کی تقریبات منعقد ہوئیں۔ چنانچہ حضرت سید غلام علی، مرحوم و مغفور، خادمِ درگاہ اجمیر شریف اسی سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

''۲۵ رصفر مطابق ۲۸ راکتوبر یوم جمعہ (۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء) کو بوقت شب سید حسین علی صاحب، ولد سید صدیق علی صاحب وکیلِ جناب نواب صاحب بہادر والیِ ریاستِ جاورہ و خادمِ درگاہِ معلیٰ سرکارِ اعظم اجمیر شریف کے نام ایک تار، مرسلہ حضرت قبلہ مولانا مولوی شاہ محمد حامد رضا خاں صاحب بریلی سے آیا۔ جس میں تحریر تھا کہ اعلیٰ حضرت قبلہ کا وصال ہوگیا۔ اس حادثۂ ہوش رُبا کو معلوم کر کے تمام مریدین ومعتقدین کو جو اور جتنا رنج والم ہوا، اس کا حال تو عالم الغیب ہی خوب جانتا ہے۔ اس حادثہ کی سب احباب کو اطلاع دی گئی۔ اور سید حسین علی صاحب نے فاتحۂ سوم کا انتظام کیا۔ اور اول بروز اتوار ۲۸ رصفر کو آستانۂ عالیہ حضور خواجۂ خواجگاں، سرکارِ اعظم، خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ کے دروازہ جنوب واقع دالانِ نواب ارکاٹ، بعد نمازِ صبح قرآن خوانی ہوئی۔ جس میں چند صاحب زادگان و چند مدرسین اور طلباے مدرسہ معینیہ عثمانیہ و مدرسینِ معینیہ اسلامیہ، ہائی اسکول شریک رہے۔ اس کے بعد ڈھائی بجے، موافق قاعدۂ صاحب زادگانِ درگاہ معلیٰ، ختم فاتحۂ سوم کے واسطے شرقی دروازہ صحنِ درگاہ معلیٰ میں آ کر ختم کیا گیا۔ اس وقت علاوہ صاحبانِ مذکور کے حضرت جناب میر سید نثار احمد صاحب قبلہ، متولیِ درگاہ اور چند اشخاصِ مدرسہ حنفیہ صوفیہ ویتامیٰ اجمیر شریف، بہ تعدادِ کثیر، شریک تھے۔ بعدِ ختم تبرک تقسیم ہوا۔ اور اس طرح، اعلیٰ حضرت، مجدّد دِمأۃِ حاضرہ مولانا مولوی شاہ احمد رضا خاں صاحب قبلہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی فاتحۂ سوم، سرکارِ اعظم اجمیر شریف میں کی گئی۔'' (دبدبۂ سکندری۔ رام پور۔ مؤرخہ ۷ رنومبر ۱۹۲۱ء)

○○○

احسن العلماء اور امام احمد رضا

سید صابر حسین شاہ بخاری قادری (گولڈ میڈلسٹ)
مدیر اعلیٰ ماہ نامہ ''الحقیقہ'' پاکستان

ہندوستان کے صوبہ اتر پردیش کے ضلع ایٹہ میں ایک قصبہ ''مارہرہ مطہرہ'' ہے۔ جسے شہرتِ عام حاصل ہے، اس کی وجہِ شہرت خانقاہ عالیہ قادریہ برکاتیہ ہے، جو کئی صدیوں سے یہاں شاد و آباد ہے۔ اس خانقاہ عالیہ کے زیدی ساداتِ کرام نے خانقاہی نظام میں اپنے قول و فعل سے ایک انقلاب بپا کیا ہے۔ یہاں کے مشائخ کرام نے اسلام اور سُنّیت کی تبلیغ میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ انھوں نے جذبۂ حب رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اُبھارا اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو عام کیا۔ سرکار دو عالم، نور مجسم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ناموس پر کوئی آنچ نہ آنے دی۔ صحابۂ کرام اور اہلِ بیت اطہار کی محبت و عقیدت کو نہ صرف پھیلایا؛ بلکہ ان کے ادب و احترام اور ناموس پر ہر دور میں پہرہ بھی دیا۔ مشائخ مارہرہ مطہرہ کی تصنیفات و تالیفات اور ان کے خلفاے عظام کی خدمات شاھد عدل و ناطق ہیں۔

اعلیٰ حضرت مجدد دین و ملت الشاہ امام احمد رضا خان قادری برکاتی بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء) اسی خانقاہ عالیہ کے فیض یافتہ ہیں۔ آپ کی اعتقادی اور نظریاتی خدمات اظہر من الشّمس ہیں، مارہرہ مطہرہ کے مشائخ عظام نے اپنے اس فرزند جلیل پر ہمیشہ ناز کیا اور ان کے مجددانہ کردار کو سراہا۔ ان کی تصانیف کو اپنی آنکھوں سے لگایا اور پھر انھیں اپنے مریدوں تک پہنچایا۔ پاک و ہند کی کسی خانقاہ میں اپنے مرید و خلیفہ کے ساتھ ایسا حسن سلوک اور رشتۂ محبت دیکھنے میں نہیں آیا۔

مشائخ مارہرہ مطہرہ میں ماضی قریب میں حضرت علامہ سید شاہ آل مصطفیٰ حیدر حسن میاں برکاتی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۴۱۶ھ / ۱۹۹۵ء) کا اسم گرامی نمایاں طور پر سامنے آیا ہے۔ دُنیا آپ کو ''احسن العلماء'' کے لقب سے جانتی ہے۔ آپ کی ولادت ۱۳۴۵ھ / ۱۹۲۷ء میں ہوئی۔ حضرت سید شاہ آل عبا بشیر حیدر قادری رحمۃ اللہ علیہ آپ کے والد گرامی ہیں۔ آپ کی ابتدائی تعلیم و تربیت گھر میں ہوئی۔ بارہ سال کی عمر میں قرآن کریم حفظ کرنے کی سعادت حاصل کی۔ چودہ سال کی عمر میں آپ کے نانا جان حضرت سید شاہ ابو القاسم اسماعیل حسن شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو بیعت کیا، خلافت و سجادگی عطا فرمائی اور جملہ سلاسلِ طریقت کی اجازت سے بھی سرفراز فرمایا۔ آپ کے اساتذۂ کرام میں شیخ العلماء

مولانا غلام جیلانی گھوسوی رحمۃ اللہ علیہ، خلیل العلماء مولانا مفتی خلیل احمد برکاتی رحمۃ اللہ علیہ اور شیر بیشۂ اہل سنت مولانا حشمت علی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔

۱۹۴۹ء میں آپ کی ازدواجی زندگی کا آغاز ہوا۔ آپ کی اولاد امجاد میں چھے صاحب زادے اور دو صاحب زادیاں ہیں۔ صاحب زادوں میں امین ملت مولانا ڈاکٹر سید شاہ امین میاں قادری برکاتی دامت برکاتہم العالیہ کا نام نہایت روشن اور نمایاں ہے۔ آپ ہی آج کل آستانۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کے سجادہ نشین ہیں اور اپنے اجداد کی ترجمانی کا فریضہ احسن انداز میں سرانجام دے رہے۔ اللھم زدفزد

حضرت احسن العلماء مارہروی رحمۃ اللہ علیہ نے تبلیغ دین اور سلسلۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ کی اشاعت میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ آپ نے دور دراز کے سفر کیے، اور خانقاہی نظام کی بحالی میں اہم کردار ادا کیا۔ اپنوں کے لیے شیر و شکر اور گستاخوں کے لیے تیغ براں تھے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری برکاتی بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کی محبت و عقیدت ضرب المثل تھی۔ آپ نے ساری زندگی مسلک اعلیٰ حضرت کا پرچم بلند کیے رکھا، اور ہمیشہ انھیں ''میرے اعلیٰ حضرت'' اور ''چشم و چراغ خاندان برکات'' کہہ کر پکارتے تھے۔ شہزادۂ احسن العلماء شرف ملت حضرت سید محمد اشرف برکاتی صاحب اپنے والد گرامی کی یادوں کے دریچوں سے پردہ اُٹھاتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ان کے سامنے اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کا ذکر کر کے ہم لوگ مطمئن ہوجاتے کہ اب والد معظم ہم لوگوں کو کوئی نیا نکتہ، کوئی نئی بات، کوئی نیا مسئلہ ضرور بتائیں گے اور یہی ہوتا۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کا ذکر آتے ہی ان کا چہرہ کھل اُٹھتا، پیشانی مزید چمکنے لگتی اور طبیعت خوش ہوجاتی، کبھی کبھی ہم بیٹے جب دیکھتے کہ حضور والد ماجد علیہ الرحمۃ کسی بات سے متفکر ہیں، تو اعلیٰ حضرت کا ذکر چھیڑ دیتے اور پھر دیکھتے کہ والد معظم کی فکر لمحے بھر میں دور ہوجاتی اور وہ اعلیٰ حضرت کا کوئی واقعہ یا ان کی کسی کتاب کا ذکر یا ان کا کوئی شعر پڑھ رہے ہیں۔ وہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے اشعار ''حدائق بخشش'' سے کبھی نہیں پڑھتے تھے، اس مقصد کے لیے ان کے پاس ایک مضبوط تر وسیلہ تھا، اور وہ تھی ان کی یادداشت، ایک ہی محفل میں اعلیٰ حضرت کی کئی کئی نعتیں اور منقبتیں اسی ترتیب سے سناتے چلے جاتے، جیسی کتاب میں درج ہیں۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی جو مشہور نعتیں انہیں بہت پسند تھیں وہ یہ ہیں ے

کعبے کے بدرالدجیٰ تم پہ کروروں درود
طیبہ کے شمس الضحیٰ تم پہ کروروں درود

واہ کیا جو دو کرم ہے شہ بطحا تیرا
نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

سنتے ہیں کہ محشر میں صرف ان کی رسائی ہے
گر ان کی رسائی ہے لو جب تو بن آئی ہے

سب سے اولیٰ و اعلیٰ ہمارا نبی
سب سے بالا و والا ہمارا نبی

آنکھیں رو رو کے سجانے والے
جانے والے نہیں آنے والے

چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے
مرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے

وہ کمالِ حسن حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

وہ سرورِ کشورِ رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کے لیے تھے

یہ قصیدہ تو وہ بہت ہی استغراق اور وجد کے عالم میں پڑھتے اور اس میں استعمال شدہ صفتوں کی تشریح ایسے دل کش انداز میں فرماتے کہ ہم بچوں کے ذہن میں بات نقش ہو جاتی۔ اعلیٰ حضرت کا شعر اگر کوئی غلط پڑھتا تو نرم انداز میں ضرور ٹوک دیتے، اکثر فرماتے، حدائق بخشش سمجھنا تو الگ پڑھنا بھی ہرا یرے غیرے کے بس کی بات نہیں ہے۔ اس غلام قادری راقم الحروف نے بھی یہ قطعہ اپنے والد معظم کی اسی بات کی یاد کی چھاؤں میں بیٹھ کر لکھا ہے ؎

منارِ قصر رضا تو بلند کافی ہے
تم اس کے پہلے ہی زینے پہ چڑھ کے دکھلا دو

فتاویٰ رضویہ تو اک کرامت ہے
ذرا حدائق بخشش ہی پڑھ کے دکھلا دو‘‘(۱)

صاحبزادۂ احسن العلماء مزید فرماتے ہیں:

’’لیکن شاعروں میں انہیں سب سے زیادہ کلام امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ کا یاد تھا۔ ان کا شعر سناتے وقت فرماتے: سنو! ’’میرے اعلیٰ حضرت کیا فرماتے ہیں‘‘ یہ کہہ کر وہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کا کوئی شعر سناتے، کبھی کبھی یوں بھی فرماتے: سنو! ’’بریلی والا کیا کہہ رہا ہے‘‘ اور یہ کہہ کر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کا شعر سناتے۔ اعلیٰ حضرت سے انہیں عشق کی حد تک محبت تھی اور اس کا اظہار وہ خلوت وجلوت، ظاہر و باطن، گفتگو و وعظ، غرض یہ کہ ہر مقام پر کرتے تھے، اپنے مریدوں کے درمیان بھی اور دوسروں کے درمیان بھی، وہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کا ذکر ضرورتاً نہیں عادتاً کرتے تھے، اور عادتاً بھی نہیں محبتاً کرتے تھے اور محبت پر کسی کا اجارہ نہیں۔ اعلیٰ حضرت کا نام لینے سے پہلے ’’چشم و چراغ خاندان برکات‘‘ کا لقب اکثر استعمال فرماتے۔ اعلیٰ حضرت اور ان کی دینی خدمات پر، ان کی کتابوں اور ان کتابوں میں بیان کردہ مضامین پر اور اعلیٰ حضرت کی شاعری پر انہیں اتھارٹی کا درجہ حاصل تھا، دور دور سے اسکالر آتے اور ان سے چند گھنٹے گفتگو کرتے، سیر ہوکر واپس جاتے اور اپنے مقالوں کا وزن بڑھاتے۔‘‘(۲)

حضرت سید آل رسول حسنین میاں برکاتی مارہروی اپنے چچا میاں کی کلام رضاؔ سے وارفتگی کا نقشہ کچھ اس طرح کھینچتے ہیں:

’’وہ کلام اعلیٰ حضرت بھی بڑے اچھے انداز میں پڑھتے تھے، صحیح معنی میں کلام الامام، امام الکلام پڑھنا، اسے سمجھنا اور دوسروں کو سمجھانا چچا میاں کا ہی حصہ تھا۔ فی زمانہ انہیں اعلیٰ حضرت کے نعتیہ کلام پر اتھارٹی کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ یوں تو ہم نے بڑے بڑے علما کو فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کے کلام میں غچے کھاتے دیکھا ہے، چچا میاں جتنا اچھا یہ کلام پڑھتے تھے اتنے ہی اچھے انداز سے سنتے بھی تھے، اعلیٰ حضرت کی نعت کوئی چھیڑ دے بس ان پر رقت کا عالم طاری ہوجاتا تھا، داڑھی آنسوؤں سے بھیگ جاتی تھی، تھوڑی دیر بعد چچا میاں خود نعت خواں کے شریک ہوجاتے اور محفل میں وہ سماں بندھتا کہ سننے والے سرشار ہوجاتے۔‘‘(۳)

حضرت احسن العلماء مارہروی رحمۃ اللہ علیہ کلام رضاؔ کے ماہر اور شارح تھے۔ اس سلسلے میں

خلیل العلماء علامہ مفتی محمد خلیل خان برکاتی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند جلیل مفتی احمد میاں حافظ البرکاتی دامت برکاتہم العالیہ کا چشم دید واقعہ ملاحظہ فرمائیے:

''غالباً ۱۹۷۰ء کی بات ہے جب آپ پاکستان تشریف لائے، ان دنوں راقم الحروف دارالعلوم امجدیہ کراچی میں زیر تعلیم تھا تو تقریباً ہر روز ہی حضرت کی زیارت کا موقع ملتا رہا۔ آپ نے جمعہ کی نماز حضرت استاذی علامہ قاری محمد مصلح الدین صدیقی قادری رضوی برکاتی رحمۃ اللہ علیہ کے اصرار پر اخوند مسجد کھارادر میں پڑھائی۔ حضرت قاری قدس اللہ سرہ ان دنوں اخوند مسجد میں خطیب وامام تھے۔ جمعہ کے بعد حضرت قاری قبلہ قدس اللہ سرہ نے دُعا فرمائی اور مناجات میں اعلیٰ حضرت کا یہ شعر بھی پڑھا۔

یا الٰہی جب سر شمشیر پر چلنا پڑے
رب سلم کہنے والے غمزدہ کا ساتھ ہو

حضرت قاری صاحب نے لفظ غم زدہ میں زاء پر زبر پڑھا، حضرت احسن العلماء سید حسن میاں قدس سرہ کے ساتھ نجی محفل میں جب فقیر بیٹھا تو آپ نے فرمایا: احمد میاں! اعلیٰ حضرت کے اس شعر میں جو قبلہ قاری صاحب نے آج پڑھا، زاء پر پیش ہے، زبر نہیں؛ اس لیے کہ زبر کے ساتھ معنی ہیں ''غموں کا مارا ہوا'' جب نبی خود غم کے مارے ہوں گے تو فریادرَسی کیسے فرمائیں گے؟ زبر کے ساتھ ''زدن'' سے بنے گا، جب کہ پیش کے ساتھ غم زدہ ''زدودن'' سے ہوگا۔ جس کے معنی ہیں ''صاف کیا ہوا، قلعی کیا ہوا'' جو شان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عین مطابق ہے۔ پھر فرمایا: میاں یہ وہ اسرار ہیں جو سینہ بہ سینہ منتقل ہوتے ہیں۔ آپ قبلہ قاری صاحب سے عرض کردیجیے گا۔ فقیر نے دوسرے دن سبق پڑھتے ہوئے حضرت قاری صاحب سے یہ گفتگو عرض کی تو آپ نہایت خوش ہوئے اور اس بات کو کئی جگہ بیان فرمایا، چنانچہ اسی کا اثر ہے کہ آج حضرت استاذی قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین اور تمام مریدین اس کو صحیح تلفظ کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ اس طرح حضور احسن العلماء کا فیض کلام رضاؔ کی شرح میں عوام تک پہنچا۔'' (۴)

حضرت احسن العلماء مارہروی رحمۃ اللہ علیہ کلام رضاؔ کی تشریح وتوضیح میں خاص دلچسپی رکھتے تھے، جہاں اُلجھن آتی تو حضرت علامہ شمس الحسن شمسؔ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے رجوع کر کے اپنی تشفی فرمالیتے تھے، یہ سرگزشت آپ ہی کی زبانی ملاحظہ فرمائیے:

''اعلیٰ حضرت کا کلام من کل الوجوہ سمجھ لینا ہر ایک کے بس کی بات نہیں، میں بھی بہت سی

جگہوں میں اٹک جاتا ہوں اور جہاں مشکوک ہوجاتا ہوں تو پروفیسر شمس بریلوی صاحب سے رابطہ قائم کرتا ہوں، چوں کہ شمس صاحب نے اپنی پوری عمر حدائق بخشش کی تفہیم، تشریح اور تحقیق میں گزار دی، انہیں کلام اعلیٰ حضرت سمجھنے اور سمجھانے کا جوملکہ ہے شاید کسی میں ہو، اس لیے مشکل مقامات پر میں ان سے رجوع کر کے تشفی حاصل کرتا ہوں۔'' (۵)

جامعہ اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ کے مدرس مولانا محمد ناظم علی دامت برکاتہم العالیہ نے احسن العلماء مارہروی رحمۃ اللہ علیہ کی اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے عشق ومحبت کو کچھ اس انداز میں رقم فرمایا ہے:

''آپ مجدد اعظم، محدث کبیر، سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے عاشق زار تھے، آپ امام احمد رضا قدس سرہ کی علمی عبقریت وانفرادیت کا ذکر فرماتے اور اپنے مریدین ومعتقدین کو مسلک اعلیٰ حضرت پر قائم رہنے کی سخت تاکید فرماتے اور آپ کی ذات ستودہ صفات کا ذکر بارہا فرماتے اور فرماتے ''میرے اعلیٰ حضرت''، آپ اپنے مریدین اور متقدین کو امام احمد رضا قدس سرہ کی محبت و عقیدت کا جام عطا فرماتے، قرآنی آیتوں کا اُردو ترجمہ امام احمد رضا قدس سرہ کے مقبول زمانہ ترجمۂ کنز الایمان سے فرماتے، تقریری مضامین کے خلاصہ کے لیے امام احمد رضا قدس سرہ کا نعتیہ کلام پیش فرماتے، آپ اپنے اشعار میں بھی امام احمد رضا قدس سرہ سے عشق واُلفت کا اظہار فرماتے تھے۔'' (۶)

دارالعلوم قادریہ چریا کوٹ ضلع مئو کے مہتمم مولانا محمد عبدالمبین نعمانی دامت برکاتہم العالیہ نے مارہرہ مطہرہ میں ایک محفل کے اختتام کا نقشہ کچھ اس طرح پیش کیا ہے:

''تقریر کے بعد صلوٰۃ وسلام خود احسن العلماء ہی نے پڑھا اور سلام بھی، کون وہی امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کا جاں نواز، ایمان افروز، عشق آگیں اور مشہور انام سلام یعنی ''مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام'' اور آخر میں اضافہ کے طور پر جب سرکار احسن العلماء نے یہ شعر پڑھا ؎

ڈال دی قلب میں عظمت مصطفیٰ
سیدی اعلیٰ حضرت پہ لاکھوں سلام

تو میری آنکھوں میں عقیدت ومسرت کے آنسو اُمنڈ آئے کہ واہ رے امام احمد رضا کی مقبولیت کہ ان کے آقازادوں میں عقیدت ومحبت جس پر ہزار جان سے قربان ہونے کو جی چاہتا ہے اور سچ پوچھیے تو امام احمد رضا کی ان کی سرکاروں میں یہی مقبولیت ہے جس نے ان کو چاردانگ عالم میں

محبوب ومقبول بنادیا۔‘‘(۷)

حضرت احسن العلماء مارہروی رحمۃ اللہ علیہ کو نہ صرف اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے محبت وعقیدت تھی بلکہ خانوادۂ امام احمد رضا سے بھی آپ کو بے حد لگاؤ اور محبت تھی۔

درس وافتا جامعہ قادریہ قادری نگر، سون بھدر کے مہتمم مفتی محمود احمد برکاتی مصباحی دامت برکاتہم العالیہ نے حضرت احسن العلماء مارہروی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کی تو دورانِ گفتگو شہزادۂ اعلیٰ حضرت حجۃ الاسلام علامہ مفتی محمد حامد رضا خان قادری برکاتی بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ان سے کیا سنا، ان کے قلم سے ملاحظہ فرمائیے:

’’سیدی حامد رضا خان قدس سرہ کے بارے میں بارہا فرمایا: میری عمر اس وقت ۶۷ر سال سے زائد ہے، لیکن اب تک میں نے ان کی طرح خوب صورت انسان نہیں دیکھا، چہرہ پاک کی زیارت سے بے شمار افراد کو ایمان کی دولت لازوال مل گئی۔‘‘(۸)

مدرسہ شمس العلوم بدایوں شریف کے پرنسپل مولانا محمد شمشاد حسین رضوی دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں:

’’خاندان اعلیٰ حضرت ہر دور میں خاندانِ برکات کا معتمد علیہ رہا ہے اور آج بھی ہے، ٹی وی کے مسئلے پر اختلاف پیدا ہوا تو احسن العلماء علیہ الرحمۃ نے حضرت ازہری میاں قبلہ کے مؤقف کی تائید فرما کر زمانے کو بتا دیا کہ اے ’’اختر رضا‘‘ آج تم ہمارے معتمد علیہ ہو جیسا کہ ماضی میں امام احمد رضا معتمد علیہ کی حیثیت رکھتے تھے۔‘‘(۹)

ایں خانہ ہمہ آفتاب است

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے شہزادے مفتی اعظم مولانا محمد مصطفیٰ رضا خان نوری برکاتی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت احسن العلماء مارہروی رحمۃ اللہ علیہ اپنے خاندانِ برکات کی دو بڑی کرامتیں سمجھتے تھے۔ اس سلسلے میں دار القلم دہلی کے ناظم اعلیٰ مولانا یٰسین اختر مصباحی دامت برکاتہم العالیہ کے قلم سے ایک ایمان افروز روایت ملاحظہ فرمائیے:

’’روایت متواترہ کے مطابق بمبئی کی ایک محفل میں جہاں بہت سے علما ومعززین شہر تشریف فرما تھے، ایک شخص نے حضرت احسن العلماء کو مخاطب کرتے ہوئے سوال کیا: حضور! آپ کے خاندان کی سب سے بڑی کرامت کیا ہے؟

احسن العلماء نے جواباً ارشاد فرمایا: میرے خاندان کی دو بڑی کرامتیں ہیں، ایک کا نام ہے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا بریلوی اور دوسری کرامت کا نام مفتی اعظم مولانا محمد مصطفیٰ رضا بریلوی علیہما الرحمۃ والرضوان۔‘‘ (۱۰)

رئیس التحریر حضرت علامہ ارشد القادری مصباحی رحمۃ اللہ علیہ نے احسن العلماء رحمۃ اللہ علیہ کی اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے محبت وعقیدت کو کچھ یوں پیش فرمایا ہے:

’’اس خصوص میں حضرت کی ذات منفرد تھی کہ پیرزادہ ہونے کے باوجود انہیں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اور حضور مفتی اعظم ہند سے غایت درجہ عشق تھا، اعلیٰ حضرت کو جب وہ ’’میرے اعلیٰ حضرت‘‘ کہتے تھے تو ایسا لگتا تھا کہ سینہ شق ہو گیا اور اعلیٰ حضرت ان کے دل میں سما گئے، وہ فرماتے تھے کہ اعلیٰ حضرت کے ساتھ محبت کی یہ وارفتگی مجھے اپنے بزرگوں سے ورثے میں ملی ہے، وہ فرماتے تھے کہ اعلیٰ حضرت کے ساتھ یہ والہانہ محبت کچھ میرے ہی ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ وہ سنیت اور عشق و ایمان کی علامت بن کر میرے پورے خانوادے میں اس طرح گھس گئے ہیں کہ میرے یہاں کوئی دن ایسا نہیں گزرتا کہ گھر کی سیدانیوں تک میں ان کا چرچا نہ ہوتا ہو۔‘‘ (۱۱)

۲۴ ؍اگست ۱۹۹۵ء کو رئیس التحریر حضرت علامہ ارشد القادری مصباحی نے حضرت احسن العلماء مارہروی رحمۃ اللہ علیہ سے آخری ملاقات کی؛ جب آپ دہلی کے جی بی پنتھ ہسپتال میں دل کے آپریشن کے لیے سی سی او میں صاحبِ فراش تھے، لیکن اس دوران بھی آپ نے رئیس التحریر سے بوقت رُخصت کیا فرمایا اور اس پر آپ نے کیا تبصرہ فرمایا، یہ ان ہی کے قلم سے پڑھیے:

’’حضرت نے اس کمترین کو اپنی دُعاؤں اور حوصلہ افزا کلمات سے سرفراز کیا۔ دَمِ رُخصت فرمایا: ’’مسلک اعلیٰ حضرت پر ڈٹے رہیے۔‘‘

آج سوچتا ہوں تو کلیجہ پھٹنے لگتا ہے کہ ان کے ایمان کی حس کتنی بیدار تھی کہ موت کا فرشتہ ان کے سرہانے کھڑا تھا، اور اس عالم میں بھی انہیں اپنے خاندان کی نہیں صرف ’’مسلک اعلیٰ حضرت‘‘ کی فکر دامن گیر تھی۔

اعلیٰ حضرت! ناز کرو اپنے مقدر پر کہ تمہارے ’’عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم‘‘ کے احترام میں خانوادۂ نبوت کا ایک فرزند جلیل تمہاری یاد کو اپنے کفن میں چھپا کر لے گیا، ہزاروں رحمتیں نازل ہو تم پر بھی اور عالم جاوید کے اس فیروز مند مسافر پر بھی، جس کا عشق موت کی ہچکیوں میں بھی زندہ وسلامت رہا۔‘‘ (۱۲)

حضرت احسن العلماء مارہروی رحمۃ اللہ علیہ کے شہزادۂ اکبر خلیفہ وجانشین امین ملت مولانا ڈاکٹر سید شاہ محمد امین میاں قادری برکاتی دامت برکاتہم العالیہ کے قلم سے ان کے والد گرامی کی زبان فیض ترجمان سے ''مسلک اعلیٰ حضرت'' اوراس کی تشریح ملاحظہ فرمائیے:

''ہم بھائیوں سے کہتے تھے کہ، میرا جو مرید مسلک اعلیٰ حضرت سے ذرا سا بھی ہٹ جائے تو میں اس کی بیعت سے بے زار ہوں اور میرا کوئی ذمہ نہیں ہے، یہ میری زندگی میں نصیحت اور میرے وصال کے بعد میری وصیت ہے۔ انتقال سے چند روز قبل برادرم سید نجیب حیدر نوری سے فرمایا کہ بیٹا! مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی کے مسلک حق کو ہمیشہ مضبوطی سے تھامے رہنا۔ درحقیقت مسلک اعلیٰ حضرت کوئی نئی چیز نہیں ہے کہ یہی مسلک صاحب البرکات ہے، مسلک غوث اعظم ہے، مسلک امام اعظم ہے اور مسلک صدیق اکبر ہے۔''

اعلیٰ حضرت کی شان میں ادنیٰ توہین کرنے والے سے ملنا انہیں گوارا نہ تھا، خواہ اس کا تعلق کتنے ہی بڑے خانوادے سے ہو، کتنا ہی بڑا مقرر ہو یا پیر ہو، ان کی کسوٹی اعلیٰ حضرت اور مسلک اعلیٰ حضرت تھی۔ (۱۳)

محمد اکبر قادری برکاتی روایت کرتے ہیں:

''حضرت احسن العلماء مارہروی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وصال باکمال سے تین دن قبل اپنے عزیز فرزند سید نجیب حیدر سے فرمایا: بیٹا! امام احمد رضا کو جانتے ہو؟ نجیب میاں نے جواب دیا: پاپا! اعلیٰ حضرت کو کون نہیں جانتا۔ فرمایا: بس ان کا دامن کبھی نہ چھوڑنا۔'' (۱۴)

حضرت احسن العلماء مارہروی رحمۃ اللہ علیہ کے ایسے کئی ایمان افروز واقعات ہیں، جن سے اعلیٰ حضرت اور آپ کے خانوادے سے آپ کی محبت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے، لیکن ان صفحات میں ان تمام واقعات وروایات کو احاطۂ تحریر میں نہیں لایا جاسکتا، البتہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں آپ کی لکھی گئی ایک منقبت قارئین کی ضیافت طبع کے لیے پیش کی جاتی ہے ؎

چہرۂ زیبا ترا احمد رضا   آئینہ ہے حق نما احمد رضا
غوثِ اعظم مظہرِ شاہِ رسل   ان کا تو مظہر ہوا احمد رضا
علم تیرا بحرِ نا پیدا کنار   ظلِ علم مرتضیٰ احمد رضا
تیرے مرشد حضرت آلِ رسول   ان کو تجھ پہ ناز تھا احمد رضا

اپنے برکاتی گھرانے کا چراغ   تجھ کو نوری نے کہا احمد رضا
سُنیوں پر یہ ترا احسان ہے   اپنے دامن میں لیا احمد رضا
سُنیت کی آبرو دَم سے ترے   اب بھی قائم ہے شہا احمد رضا
جب بھی کوئی مرحلہ آ کر پڑا   تُو نے عُقدہ حل کیا احمد رضا
نام لیوا دید کے مشتاق ہیں   کھول دے چہرہ ذرا احمد رضا
مفتی اعظم ہوئے واصل بہ حق   ان سے راضی ہو خدا احمد رضا
تیری اُلفت میرے مرشد نے مجھے   دی ہے گھٹی میں پلا احمد رضا

یاد کرتا ہے تجھے تیرا حسنؔ
اس کے حق میں کر دُعا احمد رضا(۱۵)

ماشاء اللہ! حضرت احسن العلماء مارہروی رحمۃ اللہ علیہ نے خانوادۂ نبوت کے ایک فرد فرید اور خانقاہِ مارہرہ مطہرہ کے سجادہ نشین اور شیخ کامل ہونے کے باوجود اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی شانِ مجددیت کو کس انداز میں بیان فرمایا ہے، ان کے عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کس طرح گواہی دی ہے، اور باطل فرقوں کے مقابلے میں ''مسلک اعلیٰ حضرت'' کو کس طرح ترجیح دی ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اگر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی باطل فرقوں کے آگے عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بندنہ باندھتے تو آج کئی خانقاہیں ویران ہوتیں اور کچھ غیروں کے قبضے میں ہوتیں۔

حضرت احسن العلماء مارہروی رحمۃ اللہ علیہ کا کردار بعض آستانوں کے ان بے ریش جاہل مجاوروں کے لیے تازیانۂ عبرت سے کم نہیں جو خود تو تصویر اور تشہیر کے رسیا اور بدعات و منکرات میں لت پت ہیں، اور انگلی اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ پر اُٹھاتے ہیں ع

یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

سب ان سے جلنے والوں کے گل ہو گئے چراغ
احمد رضا کی شمع فروزاں ہے آج بھی

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل ہم سب پر اپنا فضل و کرم فرمائے اور مسلک اعلیٰ حضرت پر استقامت عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین بجا سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین۔

☆☆☆

حوالہ جات

(۱) سید محمد اشرف برکاتی: رفتید و لے نہ از دل ما، مشمولہ ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور، انڈیا ''سیدین نمبر'' ۲۰۰۲ء، ص ۷۲۳۔ ۷۲۴

(۲) ایضاً، ص ۷۲۲

(۳) سید آل رسول حسنین میاں برکاتی: میرے چچا میاں: ایضاً، ص ۸۳۹

(۴) مفتی احمد میاں حافظ البرکاتی: آسمان برکاتیت کے درخشاں آفتاب: ایضاً، ص ۹۲۶۔ ۹۲۷

(۵) محمد میکائیل ضیائی: کچھ باتیں کچھ یادیں، ایضاً، ص ۱۰۵۲

(۶) مولانا محمد ناظم علی: چراغ معرفت کے آفتاب رخشندہ: ایضاً، ص ۹۱۳

(۷) مولانا عبدالمبین نعمانی قادری: ایک نادرہ روزگار شخصیت: ایضاً، ص ۹۴۴

(۸) مفتی محمود احمد برکاتی، مصباحی: کیسا دیکھا کیسا پایا: ایضاً، ص ۱۰۳۱

(۹) مولانا محمد شمشاد حسین رضوی: خانوادۂ برکاتیہ کے تاج دار: ایضاً، ص ۹۵۳

(۱۰) علامہ یٰسین اختر مصباحی: پیکر اخلاق وتقویٰ: ایضاً، ص ۸۴۵

(۱۱) علامہ ارشد القادری: شبستان علم وروحانیت اور بزم فکر وطریقت کی شمع فروزاں: ایضاً، ص ۸۳۵

(۱۲) ایضاً، ص ۸۳۷

(۱۳) مولانا نفیس احمد مصباحی: گلشن برکات کے گل خوش رنگ: ایضاً، ص ۸۶۳

(۱۴) محمد اکبر قادری: نورانی صورت اور عرفانی سیرت: ایضاً، ص ۱۰۴۳

(۱۵) احسن العلماء قدس سرہ: آئینہ ہے حق نما احمد رضا: ایضاً، ص ۱۱۰۷

☆☆☆

''راقم کو امام احمد رضا پر تحقیق کرتے چودہ سال گزر چکے ہیں، مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی ساحلِ سمندر تک بھی رسائی نہیں ہو سکی، شناوری اور غواصی تو بہت دور کی بات ہے......''

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نقشبندی

(آئینۂ رضویات، ج ۴، مرتب عبدالستار طاہر مسعودی، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۲۰۰۴ء، ص ۱۹)

مفتی اعظم سرچشمۂ ولایت وہدایت

مولانامفتی محمداشفاق حسین نعیمی
(دارالعلوم اسحاقیہ، جودھ پور، مفتی اعظم راجستھان)

تاج دارِ اہل سنت فرزند نامدار سیدنا اعلیٰ حضرت، حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان، جماعت اہل سنت کے وہ آفتابِ علم وفن ہیں؛ جن کی علمی اور ملی خدمات زریں حروف میں لکھی جائیں گی۔ سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں علیہ الرحمہ جو اپنے وقت میں دائرۃ المعارف تھے؛ آپ کے تجدیدی کارنامے، ملتِ اسلامیہ ان شاءاللہ تا قیامت یادرکھے گی۔ آپ کی مخصوص تربیت اور حضرت حجۃ الاسلام علامہ شاہ حامد رضا علیہ الرحمہ کی خصوصی نظر التفات اور حضرت علامہ شاہ سید ابوالحسین احمد نوریؔ میاں علیہ الرحمہ کی خصوصی توجہ نے مفتی اعظم علیہ الرحمہ کو نہ فقط ''مفتی اعظم'' بلکہ اپنے دور کا مفتی اعظم عالمِ اسلام بنادیا۔ دُنیاے اسلام کے نازک اور الجھے ہوئے شرعی و دینی مسائل بریلی شریف کے دارالافتاء میں مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی زبانی حل ہوتے تھے۔

فقہی جزئیات وکلیات پررب العزت نے آپ کو وہ عقابی نظر اور عمیق فکر عنایت فرمائی تھا، کہ باریک سے باریک تر اور دقیق سے دقیق تر فقہی مسئلہ کو فوراً حل فرمانا آپ کا طرۂ امتیاز تھا۔ مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی حیاتِ تابندہ رب کی بے پناہ عنایاتِ مخصوصہ اور نوازشاتِ کریمانہ کا ایک حسین مرقع تھی۔ امام غزالی کا تفکر، امام رازی کا تبحر اور امام ربانی کی عزیمت کے آپ حسین پیکر تھے۔ تمام علومِ متداولہ اور فنونِ مروجہ پر کامل مہارت، مستزاد براں سرکار اعلیٰ حضرت سیدی امام احمد رضا خاں علیہ الرحمہ کی عبقری شخصیت کی خصوصی تربیت وتوجہ نے آپ کو ممتاز مقام پر فائز فرمادیا تھا۔

۱۸رسال کی نوعمری میں ایک انتہائی پر پیچ رضاعت کے مسئلہ کو دلائل و براہین سے مزین فرما کر حل فرمانا آپ کی فقہی عبقری شخصیت کا نشانِ امتیاز ہے۔ پھر اسی روز امام اہل سنت، علوم وفنون کے بحر زخّار، سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا مسرور ہوکر آپ کو مسندِ افتا پر متمکن فرمانا اور اپنے آخری دورِ حیات میں دارالقضاء کا رکن رکین نامزد فرمانا، آپ کی فقہی بصیرت کو خراجِ تائید وتوثیق پیش کرنے کے مترادف ہے۔

آپ کا علوم ومعارف پر محیط ''فتاویٰ مصطفویہ'' آپ کے تبحر علمی اور فقہی اعلیٰ بصیرت کی جیتی

جاگتی تصویر ہے۔ یہ کتابِ مستطاب نہ فقط آپ کے علمی و فقہی شہ پاروں کا مجموعہ ہے بلکہ فقہی دُنیا میں ایک نسخۂ حلِ مشکلات کا درجہ رکھتی ہے۔ آپ کی ذات ستودہ صفات علم وفکر شعور وآگاہی، تبلیغ و ارشاد، طہارت وتقویٰ، زہد واتقا، ہر پہلو سے اپنے عظیم المرتبت والد گرامی سیدی اعلیٰ حضرت کا پرتو نظر آتی ہے نیز الولد سر الابیہ کا تابندہ عکس بھی۔

آپ کی تصنیف وتالیف کے تعلق سے خدماتِ دینیہ ہوں یا رشد وہدایت، تبلیغ وارشاد کے تعلق سے مبلغانہ کارگزاریاں ہوں؛ آپ ہر جہت سے امام اہل سنت مجدد دین وملت سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے سچے جانشین ثابت ہوئے ہیں۔ آپ کا ضرب المثل تقویٰ، شریعت طاہرہ کی مکمل پاس داری، فقیہانہ حلاوت آمیز گفتگو، فصاحت و بلاغت آمیز گوہر افشانی، عبادت وریاضت کا مؤمنانہ جذبۂ بے مثالی، فرزندانِ توحید بالخصوص نائبین رسول کے لیے مشعلِ راہ ہے۔

۱۹۲۴ء کے لگ بھگ شدھی تحریک کا طوفانِ بداماں شورآندھی بن کر فضائے ہند پر مسلط ہوا۔ اس شعلہ بداماں اور شرر آمیز تحریک نے ہندوستان کی وسیع فضا کو چند دنوں میں مکدّر و متعفن کر دیا۔ ہر سو اس سیاہ آندھی کے کارکن ارتداد کی شمشیر وسنان سے لیس ہو کر پھیل گئے۔ یوپی، راجستھان، گجرات، اڑیسہ، بنگال تک اس کے شرارے ایمان کے متوالوں کے آشیانے جلانے لگے۔ خاص کر آگرہ اور اس کے اطراف کا منطقہ زیادہ متاثر ہوا۔ اطرافِ اجمیر، میواڑ، بڑودہ بھی اس آندھی کی زد میں آگئے۔ حضور سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں علیہ الرحمہ کے تربیت یافتہ علماے ربانیین کا نورانی قافلہ اس تحریک شدھی کے خلاف کمربستہ ہو کر میدانِ عمل میں اُتر پڑا۔ مرکز کی کمان حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ اور حضرت حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خاں علیہ الرحمہ اور سرکار صدر الافاضل علامہ سید نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ نے سنبھالی۔ بڑی مدبّرانہ حکمتِ عملی کے ساتھ دفاعی مورچہ قائم کیا گیا۔ حضرت علامہ عبدالعلیم میرٹھی اور علامہ قطب الدین برہمچاری اور سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمہ میدانِ عمل میں سرگرم عمل ہو گئے۔ اس قافلہ غازیاں کے سرخیل حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ تھے، اور آگرہ اور اس کے اطراف میں اس سیاہ آندھی کا اثر زیادہ تھا۔ اسی منطقہ کو ان نفوسِ قدسیہ نے اپنی جدوجہد عمل اور تبلیغ وارشاد کا محور بنا دیا۔ مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی مدبرانہ قیادت اور عالمانہ حکمتِ عملی نے سیکڑوں افراد کے ایمان وایقان کی دولت کا تحفظ فرمایا اور صدہا گم کردۂ راہ افراد کو راہِ مستقیم پر متمکن فرمایا۔ بڑی مدبرانہ حکمتِ عملی کو روبہ عمل لا کر اس ارتدادی طوفان کا قلع قمع فرمایا۔ میلوں تک پیدل سفر فرما کر چھوٹے چھوٹے قصبات میں تشریف لے جا کر، بے پناہ سفر کی صعوبتیں برداشت فرما کر، فرزندانِ توحید میں ایمان ویقین کی روح پھونکی، اور ہزارہا گم کردۂ راہ افراد کو راہِ مستقیم پر گامزن فرمایا۔ اس قافلۂ کفن بردوشِ

غازیانِ محبت کے میر کارواں حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ تھے۔

اس کے علاوہ دینی مکاتب و مدارس اور علمی معاہد کا قیام بھی آپ کی پرخلوص مساعی کا تابندہ پہلو ہے۔سیکڑوں علم وفن کے مراکز آپ کی نگاہِ ولایت مآب کا تصدق ہیں؛ جو ملک کے طول وعرض میں علوم ومعارف کے چشمہ ہائے شیریں بن کر تشنگانِ علوم دینیہ کو سیرابی بخش رہے ہیں۔

دارالعلوم اسحاقیہ جودھ پور بھی آپ کی ولایت مآب نظر کرم کا ثمرہ ہے۔۱۹۵۶ء یا ۱۹۵۷ء کے شروع میں حضور مفتی اعظم اور حضور محدث اعظم علیہما الرحمہ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک موقع پر جودھ پور جلوہ بار ہوئے۔ تقسیم ملک کے المیہ نے نہ معلوم کتنے خانوادوں کو منقسم فرما دیا تھا۔اس بلائے ناگہانی سے متاثر ہو کر کئی ایک ذی ثروت اور ذی علم افراد انتقالِ مکانی کے شکار ہوئے۔صاحبِ ثروت اور باہوش طبقہ ترکِ وطن کر کے سرحد کے اس پار خیمہ زَن ہو گیا۔غیر مرئی مصائب وآلام نے ہر قبیلہ اور قبیلہ کے ہر باشعور فرد کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔جودھ پور بھی اس امتحان غیر متوقع کا شکار ہوا۔مدرسہ اسحاقیہ کے اربابِ حل وعقد بھی مایوس ہو گئے۔ان حالات میں مَیں بھی نا اُمید ہو گیا؛ اور ان دونوں ولایت مآب شخصیات کی بابرکت بارگاہ میں عرض کیا کہ: حضرت! اب مجھے اجازت دیجیے تاکہ رختِ سفر باندھ کر وطن چلا جاؤں، کیوں کہ اس ادارے کے حالات انتقالِ مکانی کے باعث انتہائی ناگفتہ بہ ہو چکے ہیں۔اس عریضہ پر سرکار محدث اعظم اور حضور مفتی اعظم علیہما الرحمہ نے بہ یک زبانِ ولایت مآب حکم صادر فرمایا: ''مولانا! آپ ہرگز نہ جائیے۔ان شاء اللہ المولیٰ اس ادارے کا مستقبل بہت روشن ہے۔'' ہر دو حضرات کی ولایت مآب نظریں مستقبل کے جھروکوں سے اس ادارے کا روشن مستقبل ملاحظہ فرما رہی تھیں۔دونوں نیرین کاملین نے نورانی ہاتھ اُٹھا کر ادارہ کی ترقی اور استحکام کی دُعا فرمائی۔آج دارالعلوم اسحاقیہ جس فیروزمندی کی اعلیٰ منزل پر گامزن ہے۔یہ سب کچھ انھیں نفوسِ قدسیہ کی خصوصی توجہات اور دُعاؤں کا ثمرہ ہے۔فالحمد للہ المنان الحنان۔

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کئی بار جودھ پور جلوہ بار ہوئے ہیں اور اپنی مخصوص دُعاؤں سے ادارہ کو اور اس فقیر کو نوازتے رہے۔حضرت کو مجھ سے اور اس ادارہ سے خصوصی تعلقِ خاطر تھا۔جب بھی عریضۂ دعوت پیش کیا، شرفِ قبولیت سے نوازا گیا۔آپ کی ذات سراپا کرامت نہ فقط میرے لیے، یا میرے ادارے کے لیے بلکہ پوری ملتِ بیضا کے لیے سرچشمۂ ہدایت وولایت تھی۔رب العزت اپنے حبیب پاک کے صدقے میں آپ کا روحانی فیض تا قیامت جاری وساری رکھے۔آمین۔ ؎

مضت الدھور وما اتین بمثلہ
ولقد اتیٰ فعجزن عن نظرائہ

ولی صورت ولی سیرت ہمارے مفتی اعظم

حضرت سید آل رسول حسنین میاں برکاتی نظمی
(خانقاہِ عالیہ قادریہ برکاتیہ، مارہرہ مطہرہ، یوپی)

مشاہدات کے اوراق معطر ہیں۔ بزم سجی ہوئی ہے۔ حضور مفتی اعظم کی جلوہ گری ہے۔ حضور نظمی میاں مارہروی علیہ الرحمہ ماضی کی یادیں تازہ کر رہے ہیں۔ ایمان کو تازگی مل رہی ہے۔ آپ بھی بزمِ مارہرہ مطہرہ میں چند لمحے گزاریں۔ یقیناً روحانیت ملے گی۔ نوری فیض کی کرنیں دل و دماغ کو نورٌ علیٰ نور بنا دے گی۔ لفظ لفظ پڑھ جائیے۔ فرحت و انبساط کا احساس بڑھتا جائے گا۔ مدیر

مارہرہ شریف کی خانقاہِ برکاتیہ کی جامع مسجد جس کی پیشانی پر لکھا ہے ''خانۂ عبادات آل احمد''، مسجد کی پختہ سیڑھیوں سے اُتر رہے ہیں قطب مارہرہ سید شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں صاحب قدس سرہ العزیز۔ ہمراہ ہیں اپنے وقت کے مدارِ علم وفضیلت امام اہل سنّت مجدد دین وملت شاہ احمد رضا خان قادری برکاتی قدس سرہٗ۔ مرشد اعلیٰ خاتم الاکابر شاہ آل رسول احمدی رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین کا ساتھ ہے۔ اس لیے امام عشق ومحبت سراپا ادب بنے ہوئے ہیں۔ تبھی سرکار نوری میاں صاحب فرماتے ہیں: مولانا صاحب! مبارک ہو، آپ کے یہاں فرزند تولد ہوا ہے۔ ہم نے اس کا نام 'آل الرحمٰن مصطفیٰ رضا' رکھا ہے، ہم اسے سلسلۂ قادریہ برکاتیہ میں اپنی بیعت میں لیتے ہیں اور ساری اجازتیں خلافتیں عطا کرتے ہیں۔ ان شاء اللہ المولیٰ تعالیٰ! بریلی آکر بیعت کی خاندانی رسم بھی ادا کریں گے۔ یہ وہی دن وہی ساعت تھی جب بریلی کے مشہور ومعروف پٹھان گھرانے میں ایک بچہ پیدا ہوا تھا، اور جس کی پیدائش کی نوید میلوں دور مارہرہ میں موجود پیر روشن ضمیر نے اس بچے کے باپ کو دے دی تھی۔ عام قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی کے یہاں بچہ کی آمد آمد ہوتی ہے تو آدمی اپنے سارے کام چھوڑ کر گھر پر رہنے کو ترجیح دیتا ہے۔ ملازمت پیشہ آدمی کام سے چھٹی لے لیتا ہے۔ کاروباری آدمی تجارتی دورے ملتوی کر دیتا ہے۔ کوشش یہی ہوتی ہے کہ زیادہ وقت گھر پر ہی رہے۔ نہ جانے کب زچگی وغیرہ کے سلسلے میں بھاگ دوڑ کرنی پڑے۔ مگر یہ کیا معاملہ ہے۔ احمد رضا خان کے گھر نیا مہمان آنے کو ہے اور وہ مارہرہ

میں اپنے مرشد زادے کے مہمان بنے ہوئے ہیں۔ بات یہ ہے کہ امام احمد رضا کے سارے معاملات مرشد کے آستانے سے وابستہ تھے۔آج بھی وہ اپنے مرشد کی خدمت میں اسی لیے حاضر تھے کہ اس در سے ایک ایسے فرزند کی خوش خبری لے کر جائیں جو بڑا ہو کر تاج دارِ اہلِ سنت، محافظِ شریعت اور صاحبِ عشق و محبت بنے۔

چھ ماہ بعد حضرت نوری میاں صاحب بریلی تشریف لے جاتے ہیں۔نومولود کو نہالچہ پر سرکار کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔نوری میاں صاحب بڑی شفقت سے گود میں لیتے ہیں۔ یہ کون ہے؟ یہ چشم و چراغِ خاندانِ برکات کا لختِ جگر ہے۔جن مبارک ہاتھوں نے اس کے پیدا ہونے کی دُعا مانگی تھی، آج وہی ہاتھ اس پر شفقت برسا رہے ہیں۔نوری میاں صاحب کلمہ کی انگلی بچہ کے منھ میں ڈال دیتے ہیں۔سبحان اللہ! شاید بچہ کو معلوم ہے کہ میرے والد کے قلم سے یہ شعر نکلا ہے ؎

تیری نسلِ پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا　　　تو ہے عین نور تیرا سب گھرانا نور کا

یہ نوری گھرانے کے نوری فرد نوری میاں کی انگلی ہے۔ بچہ بڑے چاؤ سے انگلی چوس رہا ہے۔ نوری میاں بڑی شفقت سے مسکراتے ہوئے اپنے خاندان عالی کا نور بچے کے سینے میں اُنڈیل رہے ہیں۔قطبِ مارہرہ کی دوررَس نگاہوں نے دیکھ لیا ہے کہ یہ بچہ آگے چل کر ولایت کی منزلیں طے کرے گا۔سچ ہے ع

ولی را ولی می شناسد

نوری میاں کی ساری دُعائیں اس بچے کے حق میں صحیح ثابت ہوئیں اور وہ بچہ آگے چل کر مفتی اعظم کے نام (لقب) سے مشہور ہوا۔

حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کو میں نے پہلی بار اس وقت دیکھا تھا؛ جب میں سات سال کا تھا۔ اور بمبئ کے ہاشمیہ اسکول میں ابتدائی جماعت میں تھا۔ کھڑک مسجد میں ابّا حضرت، حضور سید العلماء علیہ الرحمۃ کے ساتھ رہتا تھا۔حضور مفتی اعظم کی پہلی ملاقات مجھے ہمیشہ یاد رہے گی۔ ہوا یوں کہ ایک دن میں ابّا حضرت کے حجرے میں بیٹھا ہوا اسکول کا ہوم ورک کر رہا تھا۔اتنے میں شور اُٹھا کہ مفتی اعظم تشریف لا رہے ہیں۔ابّا حضرت اُٹھ کر حجرے کی سیڑھیوں تک گئے اور حضور مفتی اعظم کا شایانِ شان استقبال کرتے ہوئے حجرے میں لے آئے۔ میں اپنے کام میں انتہا منہمک تھا کہ کسی طرف دھیان نہیں دیا۔ابّا کو جلال آ گیا۔مفتی اعظم کو اپنی مسند پر بٹھا کر ابا میرے قریب آئے اور ایک زوردار طمانچہ میرے رُخسار پر مار کر بولے: ناہنجار، بے ادب، معلوم نہیں کون آیا ہے؟ نہ سلام نہ کلام

اُٹھ قدم بوسی کر۔طمانچہ اتنا زبردست تھا کہ میرا دماغ جھنجھنا گیا۔میں فوراً اُٹھا اور حضور مفتی اعظم کی قدم بوسی کو آگے بڑھا۔مگر اس سے پہلے کہ میں ان کے قدموں پر گرتا وہ میرے پیروں پر گر پڑے۔اللہ اکبر! میرا بدن سن ہوگیا، کہیں ابا یہ نہ سمجھیں کہ میں نے جان بوجھ کر سرکار مفتی اعظم ہند کی قدم بوسی میں تاخیر کی ہے۔ایک طمانچہ تو پہلے ہی پڑ چکا ہے، دوسرا شاید اب پڑے تب پڑے۔مگر اتنے میں اس مجسم شفیق ہستی نے مجھے اپنی گود میں سمیٹ لیا اور بڑی اپنائیت سے اپنے سینے سے لگا لیا۔سبحان اللہ! وہ خوشبو جو اس مبارک بدن سے نکل رہی تھی آج بھی مجھے مہکا رہی ہے۔ابّا نے حکم دیا: اپنی کتابیں کاپیاں لے کر اندر جا کر کام کرو۔مگر مفتی اعظم نے مجھے اپنی گود میں اور اندر سمیٹ لیا، فرمایا: تھوڑی دیر میرے پاس رہنے دیجیے۔پھر مجھ سے فرمایا: آپ کا نام کیا ہے؟ میں نے ابا کی طرف ڈرتے ڈرتے دیکھا، ابّا بولے: بتاؤ! حضرت کیا پوچھ رہے ہیں؟ تب میں نے اپنی عادت کے مطابق اپنا تعارف کرایا: میرا نام سید آل رسول حسنین میاں قادری برکاتی نوری قاسمی مارہروی ہے۔حضور مفتی اعظم میرے اس لمبے چوڑے تعارف پر مسکرا پڑے۔ابّا بھی مسند کے ایک کنارے بیٹھ چکے تھے۔حجرہ کھچا کھچ بھر گیا تھا۔ میں چپ چاپ مفتی اعظم کی گود سے اُترا، اپنی کتابیں سمیٹ کر حجرے کے اندر جو راہداری تھی، وہاں جا کر کام کرنے لگا۔

پھر تو حضور مفتی اعظم سے میری پہچان ہوگئی، سرکار اکثر وبیش تر ابّا حضرت کے پاس آیا کرتے۔اب ان کے استقبال و خیر مقدم کی ذمہ داری میں نے اپنے سر لے لی۔سیڑھیوں سے حجرے تک حضور مفتی اعظم کا ہاتھ پکڑے رہنا میں اپنی عین سعادت سمجھتا تھا۔کبھی کبھی حضور مفتی اعظم تنہا تشریف لاتے تھے۔خدام مسجد کے دروازے تک چھوڑ جاتے تھے۔اور وہاں سے میری ڈیوٹی شروع ہو جاتی تھی۔حضور مفتی اعظم کو میں نے ابّا کے سامنے ہمیشہ دوزانو بیٹھے ہوئے دیکھا، میں اکثر سوچا کرتا کہ جس شخص کا میرے ابّا اتنا ادب واحترام کرتے ہیں وہ شخص ابّا کے سامنے اتنے ادب سے کیوں بیٹھا رہتا ہے۔کھڑک مسجد کے ایک مؤذن تھے، قاسم جان مرحوم، میرے استاذ بھی تھے۔ایک دن میں نے ان سے پوچھ ہی لیا، بانگی صاحب! مفتی اعظم صاحب ابّا کے پاس آتے ہیں تو ابّا بڑی عزت سے بٹھاتے ہیں، ان کے ہاتھ بھی چومتے ہیں، مگر مفتی اعظم جب تک حجرے میں رہتے ہیں دوزانو بڑے ادب کے ساتھ بیٹھے رہتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ قاسم جان مرحوم نے بتایا: بات یہ ہے کہ سید میاں ان کا احترام اس لیے کرتے ہیں کہ وہ اپنی جماعت کے ایک بڑے عالم، ایک بڑے مفتی ہیں اور اعلیٰ حضرت کے شہزادے ہیں، اور مفتی اعظم جو اتنا ادب دکھاتے ہیں وہ اس لیے کہ جس گدی سے مفتی اعظم

کو بیعت وخلافت حاصل ہے، اس گدی کے وارث اور سجادہ نشین آپ کے ابّا ہیں۔

اسی دوران سنّی جمعیۃ العلماء کا قیام عمل میں آیا۔ اس جماعت کی بنیاد رکھنے میں جن لوگوں نے مرکزی کردار ادا کیا؛ ان میں نمایاں نام محدث اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ، حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور میرے والد ماجد حضور سید العلماء رحمۃ اللہ علیہ کے تھے۔ جماعت کے رجسٹریشن کا مسئلہ آیا تو اس کے تحریری دستور کی ترتیب کی بات چلی۔ اس وقت حضور محدث اعظم ہند اور مفتی اعظم دونوں ہی نے بالاتفاق یہ کام ابّا حضرت کے سپرد کیا۔ ان ہی دونوں حضرات نے جماعت کی صدارت کی ذمہ داری ابّا کے کاندھوں پر ڈالی۔ آل انڈیا سنّی جمعیۃ العلماء کے صدر الصدور کی حیثیت سے ابّا کی ذمہ داریاں بڑھ گئیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جماعت کے قیام کے کچھ برسوں کے بعد ایک مرحلہ ایسا آیا جب ابّا جماعت کے کچھ عہدے داروں کی بدچلنی سے ناراض ہوگئے، اور صدارت سے استعفیٰ لکھ کر بریلی شریف بھیج دیا۔ حضور مفتی اعظم ہند کو جیسے ہی استعفیٰ ملا ویسے ہی بمبئی روانہ ہوگئے۔ ان دنوں مسجد کھڑک میں واقع ابّا کے حجرے کی مرمت چل رہی تھی اور ابا مسجد کی دوسری منزل کے ایک کونے میں معتکف تھے۔ ایک شام حضور مفتی اعظم بہت تیز تیز سیڑھیاں چڑھتے ہوئے دوسری منزل پر پہنچے اور اس سے پہلے کہ ابّا تعظیم کے لیے اُٹھیں، مفتی اعظم نے اپنا عمامہ اُتار کر ابّا کے قدموں پر رکھ دیا۔ میرے چھوٹے سے ذہن میں اس وقت کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ ماجرا کیا ہے؟ ابّا نے عمامہ اُٹھا کر اپنے سر پر رکھ لیا۔ حضور مفتی اعظم نے فرمایا: سید میاں! سُنّیت کی لاج آپ کے ہاتھ ہے۔ جماعت سے آپ علاحدہ ہوگئے تو شیرازہ بکھر جائے گا۔ دُشمن پہلے ہی سے ہمارے اتحاد پر نظر جمائے ہوئے ہیں۔ انھیں ہم پر ہنسنے اور گل کھلانے کا موقع مل جائے گا۔ آپ کو اپنے نانا جان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا واسطہ اپنا استعفیٰ واپس لے لیجیے۔ یہ کہہ کر مفتی اعظم نے ابّا کا استعفیٰ نکال کر پیش کیا۔ میں نے ابّا کو دیکھا، مفتی اعظم کا عمامہ اپنے سر پر رکھے روتے جارہے تھے۔ ادھر مفتی اعظم کی بھی آنکھوں میں آنسو رواں تھے۔ میں نے ابّا کو روتے دیکھا تو خوب زور زور سے رونے لگا۔ ابّا کے خادم صوفی نظام الدین صاحب مجھے گود میں اُٹھا کر نیچے صحن مسجد میں لے آئے۔ اس دن حضور مفتی اعظم تب ہی واپس گئے جب ابّا نے استعفیٰ واپس لے لیا۔

مفتی اعظم ہند کس سن میں پیدا ہوئے۔ تعلیم کہاں حاصل کی۔ وصال کب ہوا۔ یہ ساری تحقیق سوانح نگاروں سے تعلق رکھتی ہے۔ ہمیں تو یہ دیکھنا ہے کہ رب تبارک وتعالیٰ نے انھیں اس عالمِ اجسام میں جینے کے جو لمحے عطا کیے تھے انھیں کس کام میں لائے۔ مفتی اعظم پر بہت کچھ بولا اور لکھا گیا ہے۔

مریدوں نے عقیدتوں میں ڈوب کر اپنے پیر کی ڈھیروں کرامتیں بیان کی ہیں، جن میں مبالغہ اور غلو بھرا ہوا ہے۔ مفتی اعظم کی سب سے بڑی کرامت تھی ان کی استقامت۔ انھوں نے ایسے باپ کی گود میں پرورش پائی تھی جس نے باطل قوتوں کے آگے جھکنا نہیں سیکھا تھا۔ امام احمد رضا نے ایسے وقت میں جب دُنیائے سُنّیت کے بڑے بڑے لوگ فتنوں کی آندھی میں تنکوں کی طرح اُڑنے لگے تھے اپنے برکاتی مرشد کے کھونٹے کو اتنی مضبوطی سے پکڑ کر آندھیوں، طوفانوں کا مقابلہ کیا کہ وہ خود نہ جانے کتنے ڈوبنے والوں کا سہارا بن گئے۔ مفتی اعظم کو عقیدے کا یہ استحکام اپنے باپ سے ورثے میں ملا تھا۔ انھوں نے مارہرہ شریف کے نجیب الطرفین سید زادوں سے اپنا روحانی رشتہ جوڑا تھا۔ وہ ایسے پیر کے مرید تھے جس کے حسب اور نسب کو چیلنج کرنے کی نہ کل کسی کی جرأت تھی۔ نہ آج کسی میں ہمت۔ وہ ایک ایسے عالی خاندان سے شرفِ بیعت رکھتے تھے جس کے پاس مانگے کا اُجالا نہ تھا بلکہ وہی شمع فروزاں اس خانوادے میں روشن چلی آرہی تھی جو سیدنا مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مل کر سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روپ میں روشن کی تھی، اور جو باپوں سے بیٹیوں کو، اور ماؤں سے بیٹوں کو پاک خون کی صورت میں منتقل ہو کر خانوادۂ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ تک پہنچی تھی۔ مفتی اعظم کو اس خاندانیت کی بھی برکت حاصل تھی۔

ہوئے نوری کے تو نوری بنے ہیں مفتی اعظم
بریلی تجھ کو مارہرہ سے کیسی نوری نسبت ہے

نوری میاں صاحب علیہ الرحمہ سے اکتسابِ فیض کر کے مفتی اعظم اپنے پیر کا عکس بن گئے۔ پہلے فنافی اللہ ہوئے، پھر فنافی الرسول، پھر فنافی الغوث اور آخر میں فنافی الشیخ ہو گئے

ولی صورت ولی سیرت ہمارے مفتی اعظم
کہ جن کو دیکھنے کے ساتھ ہی یادِ خدا آئے

ابّا حضرت علیہ الرحمہ کا وصال ۱۹۷۴ء میں ہوا۔ دُنیائے سُنّیت کے لیے عموماً اور اقلیم برکاتیت کے لیے خصوصاً یہ ایک بڑا حادثہ تھا۔ مفتی اعظم قبلہ کو جب ابّا کے وصال کی خبر دی گئی تو جلال کے مارے غش آ گیا۔ خبر سنانے والے کو بہت ڈانٹا پھٹکارا۔ یہی فرماتے رہے کہ سید میاں کی رحلت ہو گئی ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حیات ہیں۔ مفتی اعظم کے ان جملوں میں کیسا رمز چھپا ہے۔

ابّا حضرت علیہ الرحمہ کے چہلم پر مارہرہ مطہرہ میں عالم سُنّیت کے تمام مشاہیر جمع ہوئے۔ حافظِ ملت، مجاہدِ ملت، برہانِ ملت اور مفتی اعظم ہند کے نام ان میں سرفہرست ہیں۔ ابّا حضرت نے اپنے

وصیت نامے اور خلافت نامہ میں تحریر فرمایا تھا کہ رسمِ سجادگی درگاہ شاہ برکت اللہ مارہرہ مطہرہ میں ادا کی جائے۔ اور میرے سر پر سجادگی کا عمامہ میرے عم محترم حضور احسن العلماء سید شاہ مصطفیٰ حیدر حسن میاں علیہ الرحمہ باندھیں۔ دُنیا کو معلوم ہے کہ رسم سجادگی ایک خالص خاندانی تقریب ہوتی ہے، جس میں خاندان کے بزرگ ہی شریک ہو سکتے ہیں، مگر یہ میری خوش نصیبی ہی تھی کہ میری رسم سجادگی میں حضور مفتی اعظم کو خاندان کے بزرگوں کے ساتھ شریک کیا گیا۔ قبۂ شاہ برکت اللہ قدس سرہٗ میں حضور اچھے میاں رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف کے پاس رسم سجادگی ہوتی آئی ہے۔ اس دن مارہرہ شریف میں کافی بارش ہوئی تھی، سڑکیں نم ہو گئی تھیں مگر رسم سجادگی کے وقت بارش تھم گئی۔ مفتی اعظم قبلہ لوگوں کے گھیرے میں خانقاہ شریف کے برآمدے میں بیٹھے؛ حسبِ معمول تعویذات لکھ رہے تھے۔ جب انھیں معلوم ہوا کہ میں سجادگی کی رسم کی ادائیگی کے لیے درگاہ معلّٰی میں حاضر ہو گیا ہوں؛ تو سب کچھ چھوڑ چھاڑ پنجوں کے بل تیز تیز چلتے ہوئے درگاہ پہنچے۔ جس وقت مفتی اعظم درگاہ شریف میں داخل ہوئے ان کی سانس دھونکنی کی طرح چل رہی تھی۔ چچا میاں کو معلوم ہوا کہ مفتی اعظم تشریف لے آئے ہیں، فوراً قبہ کے اندر بلوا لیا۔ ہمارے ایک رشتے کے نانا نے اعتراض بھی کیا کہ اس رسم میں رشتہ داروں کے علاوہ کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔ اس پر حضور احسن العلماء نے فرمایا: ہمارے لیے امام احمد رضا کا شہزادہ رشتے دار سے کم نہیں ہے۔ ابّا حضرت کی وصیت تھی کہ عمامہ چچا میاں حضور احسن العلماء باندھیں۔ انھوں نے وصیت کی تعمیل کرتے ہوئے میرے سر پر ایک پیچ دیا اور پھر مفتی اعظم کو آگے بلا کر عمامہ ان کے سپرد کر دیا کہ باقی عمامہ آپ باندھیں۔ مفتی اعظم قد میں چوں کہ مجھ سے چھوٹے تھے؛ اس لیے میں نے ان کی آسانی کے لیے تھوڑا سا نیچے جھکنا چاہا مگر انھوں نے یہ کہہ کر منع کر دیا کہ: ''مخدوم نہیں جھکا کرتے خادم کو سر بلند کیا کرتے ہیں۔'' پھر مفتی اعظم قبلہ نے پنجوں کے بل کھڑے ہو کر پورا عمامہ میرے سر پر باندھا۔ اور جب میں بزرگوں کے ملبوسات پہن کر مسند سجادگی پر بٹھا دیا گیا تو سب سے پہلی نذر چاندی کا ایک کھرا روپیہ سب سے پہلے مفتی اعظم نے ہی مجھے پیش کیا۔ ولی کے ہاتھ کے اس روپے نے مجھے لکھ پتی بنا دیا۔ اس ایک روپے کی برکت آج بھی میرے ساتھ ہے۔ فللّٰہ الحمد۔

رسم سجادگی کے بعد عم محترم حضور احسن العلماء نے مجھے حکم دیا للّا! مفتی اعظم کو گدی کے کمرے میں لے جاؤ اور کھانا کھلا دو۔ میں نے مفتی اعظم سے درخواست کی اور انھیں اس کمرے میں لے آیا جس کمرے میں ان کے والد ماجد امام احمد رضا؛ میرے جد امجد حضور شاہ آل رسول (قدس سرہما) سے

بیعت ہوئے تھے۔ وہ تخت جس پر بیٹھ کر خاتم الاکابر نے اعلیٰ حضرت کو بیعت کیا تھا میری ہی تحویل میں ہے اور وہ گدی بھی اب اسی فقیر برکاتی کے پاس ہے۔

حضور مفتی اعظم جیسے ہی حجرۂ سجادگی میں داخل ہوئے؛ اسم ذات کا نعرہ لگایا اور تخت کے پائے سے لپٹ گئے۔ زار و قطار رونا شروع کر دیا۔ بڑی منت سماجت سے میں نے حضور مفتی اعظم کو وہاں سے الگ کیا، اب وہ اس طور سے بیٹھے کہ قبلہ کو پشت اور تخت سجادگی کی طرف رُخ تھا۔ گویا وہ اپنے مرشد گرامی کو تخت پر بیٹھے ہوئے ملاحظہ فرما رہے تھے۔ والدہ ماجدہ نے اپنے ہاتھوں سے مفتی اعظم کے لیے پرہیزی کھانا بنایا تھا۔ بہت تھوڑا کھایا۔ جب میں نے مزید اصرار کیا تو فرمایا: اس حجرۂ مبارکہ میں آ کر میری ایسی شکم سیری ہوئی ہے کہ روح تک سیراب ہو گئی ہے۔

حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی نہایت صاف ستھری اور پاکیزہ تھی۔ انھوں نے عقائد کے معاملے میں کبھی کسی سے سمجھوتہ نہیں کیا۔ دولت کی چمک نے اچھے اچھوں کی آنکھیں خیرہ کر دیں؛ مگر مفتی اعظم کے ایمان کی دولت ساری دُنیوی تابانیوں پر بھاری رہی۔ انہوں نے جو کچھ کہا اور کیا وہ سب کچھ اعلائے کلمۃ الحق کے سلسلے میں تھا۔ پھر انھوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ان کا کوئی فتویٰ حکومتِ وقت کی پیشانی پر شکن ڈال دے گا اور بیسویں صدی کے نمرود ان کے پیچھے پڑ جائیں گے۔ وہ اپنے سارے معاملات میں اللہ کے ہو گئے اور اللہ ان کا ہو گیا۔ خاندانی منصوبہ بندی کی جو آندھی اُٹھی تھی، اس میں ہندوستان کی بہت سی خانقاہیں اپنی روایات کی نس بندی کرا بیٹھیں مگر مارہرہ مطہرہ کی خانقاہ سے فیض یافتہ مفتی اعظم کا قلم ذوالفقار حیدری کا جانشین بن کر صفحۂ قرطاس پر حرام حرام حرام لکھ گیا۔ پھر دُنیا نے دیکھا کہ اللہ و رسول کی حدوں کو توڑنے والے صفحۂ ہستی سے مٹ گئے؛ مگر مفتی اعظم آج بھی زندہ ہیں۔ اور ان کا فیض آج بھی جاری و ساری ہے۔

مفتی اعظم قبلہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی آخری عمر میں عالمِ محویت میں چلے گئے تھے۔ دورہ کرنا بند کر دیا تھا۔ اور بریلی شریف میں مقیم رہ کر مریدوں کی روحانیت کو تر و تازہ کر رہے تھے۔ انھیں دنوں عرس اعلیٰ حضرت میں لوگوں کے ازدحام کی وجہ سے منبر ٹوٹ گیا اور یہ مشہور ہو گیا کہ حضور مفتی اعظم زخمی ہو گئے ہیں اور حضرت کی دو پسلیاں ٹوٹ گئی ہیں۔ خانوادۂ برکاتیہ کے لیے یہ خبر تشویش ناک تھی۔ عم محترم حضور احسن العلماء نے مجھے حکم دیا کہ: میں بریلی شریف حاضری دوں اور حضور مفتی اعظم ہند کی عیادت کروں۔ میں جس وقت بریلی شریف پہنچا تو دیکھا کہ آستانۂ اعلیٰ حضرت پر لوگوں کی بھیڑ ہے۔ لوگ کئی کئی روز سے وہاں ٹھہرے ہوئے ہیں مگر شرف باریابی حاصل نہیں ہے۔ میں چاہتا تھا کہ لوگوں کو میری آمد کی اطلاع نہ ہو اور میں مفتی اعظم ہند کی خدمت میں خاموشی سے پہنچ جاؤں۔ مگر ان

کے خادم خاص اور اس وقت میرے بہت چہیتے خلیفہ مولوی عبدالہادی برکاتی نوری افریقی نے مجھے دیکھ لیا۔ بس پھر کیا تھا وہ مجسم میری آمد کا اعلان بن گئے۔ وہاں جو لوگ موجود تھے وہ مارہرہ مطہرہ کے تعلق سے مجھ پر ٹوٹ پڑے، یہ بات میرے لیے پریشانی کا باعث بن گئی۔ حضور مفتی اعظم نے گھر کے اندر لیٹے ہوئے باہر کی حالت کو بھانپ لیا اور اندر سے خادموں کو بھیج کر مجھے اندر بلوالیا۔ جس وقت میں اندر گیا حضور مفتی اعظم عمامہ سر پر باندھے پوری طرح لباس ولایت میں ملبوس چار پائی پر دراز تھے۔ میرے پہنچنے پر اُٹھنا چاہا مگر میں نے سبقت کی اور انھیں اُٹھنے سے روک لیا۔ میں نے دست بوسی کی تو اُلٹے حضور مفتی اعظم نے میرے ہاتھ چومے؛ اتنے میں اندر سے خادمہ آ گئیں، بولیں میاں! آج صبح سے حضرت نے کچھ نہیں کھایا ہے اگر آپ کہیں گے تو شاید کھالیں، میں نے بڑی بی سے کہا: آپ کھانا لے آئیے، کھلانا میرا کام ہے، وہ جھٹ پٹ دو پھلکے اور پیالے میں شوربا لے آئیں۔ میں نے مفتی اعظم سے کہا حضرت اُٹھیے اور میرے ہاتھ سے تھوڑا سا کھانا کھا لیجیے، فرمایا اشتہا نہیں ہے۔ میں نے کہا صرف دو لقمے کھا لیجیے۔ فرمایا میں خود سے اُٹھ نہیں پاؤں گا، میں نے کہا میں سہارا دے کر اُٹھا لوں گا، اتنا سن کر رو دیے، فرمایا: سہارا دینا تو آپ سرکاروں کا ہی خاصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ حشر کے دن مجھے آپ ہی کے سہارے اُٹھائے۔ میں نے سیدھا ہاتھ پیٹھ کے نیچے ڈال کر دھیرے سے اُٹھانا چاہا تو دونوں ہاتھ میری گردن کے گرد ڈال دیے۔ میں نے بھی موقع غنیمت جانا اپنا سینہ ان کے سینے سے لگا دیا اور اس طرح سینہ بسینہ انھیں اُٹھا کر بٹھایا۔ پھر بھی انھوں نے اپنا ہاتھ میری گردن سے نہ ہٹایا۔ میں نے کہا اب آپ اطمینان سے بیٹھ جایئے تو میں کھانا کھلا دوں۔ فرمایا پہلے وعدہ فرمایئے کہ میدانِ محشر میں بھی مجھے اسی طرح سنبھالیں گے۔ اللہ اکبر! مجھے پسینہ آ گیا، میں بندہ کمین؛ بھلا اس قابل کہاں، مفتی اعظم نے اس وقت تک اپنے ہاتھ الگ نہ کیے جب تک کہ میں نے کانپتے لہجے میں ہاں نہیں کر دی۔ پہلا لقمہ کھلایا تو فرمایا: سید میاں کیسے ہیں؟ یہ وہ وقت تھا کہ ابّا حضرت کو وصال فرمائے ہوئے کئی برس گزر چکے تھے۔ میں نے عرض کیا ابّا اللہ تعالیٰ! کے فضل و کرم سے اچھے ہیں، مارہرہ شریف میں آرام فرما رہے ہیں۔ فرمایا: ہمارا سلام عرض کر دیجیے گا۔ پھر اطمینان و سکون کے ساتھ وہ دونوں پھلکے تناول فرمائے۔ چلتے وقت ایک لفافہ میری نذر کیا جس میں گیارہ روپے تھے، میں نے لفافہ لینے سے انکار کیا تو فرمایا: غلام کی نذر قبول نہ کرنا آقا کی شان کے خلاف ہے۔ میں نے دوبارہ لٹاتے وقت ٹٹول کر دیکھا پورا بدن صحیح و سالم تھا۔ لٹانے کے بعد چادر اوڑھانے کے بہانے میں نے قدم بوسی بھی کی۔

کہاں تک لکھیے برادرِ عزیز مولوی رحمت اللہ صدیقی کی فرمائش پر اتنا کچھ لکھنے کے بعد بھی سوچتا ہوں ع حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا ☆☆☆

وداعِ تاج الشریعہ

علامہ قمر الزماں خاں اعظمی
[سکریٹری جنرل ورلڈ اسلامک مشن انگلینڈ]

۲۰؍جولائی ۲۰۱۸ء کی شام کو حضرت تاج الشریعہ علیہ الرحمۃ کے وصال پُر ملال کی خبر جملہ اسلامیانِ عالم نے انتہائی غم واندوہ کے ساتھ سُنی۔ افسوس کہ دُنیاے سنیت ایک عظیم قائد سے محروم ہو گئی۔ حضرت کا وصال ایک ایسا اَلمیہ ہے؛ جس کو مدتوں تک محسوس کیا جاتا رہے گا۔

وہ ایک عظیم فقیہ، عظیم محدث، عظیم مفسر، بے مثل باحث، مناظر، متکلم، منفرد المثال ادیب، شاعر اور مصنف تھے۔ ان کے وصال سے علوم وفنون کے ان تمام شعبوں کا نا قابلِ تلافی نقصان ہوا۔

خاندانِ امام احمد رضا علیہ الرحمۃ نے کم وبیش ۲۰۰؍سال تک برصغیر کے مسلمانوں کی علمی اور فکری، دینی اور سیاسی قیادت کا عظیم فریضہ انجام دیا۔ بالخصوص ۱۸۵۷ء کے بعد سرزمین ہند ایسے علما، محققین اور اربابِ علم ودانش سے خالی ہوگئی تھی؛ جو اسلامیانِ ہند کی علمی، فکری، دینی قیادت کر سکیں۔ تحریکِ جہاد کی ناکامی کے بعد بیش تر اکابرِ ملت کو یا تو شہید کر دیا گیا تھا یا پھر انڈمان وغیرہ کے جزائر میں ملک بدر کر دیا گیا تھا؛ جو کبھی واپس نہ آسکے۔ ان حالات میں اللہ رب العزت نے امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کو منصب تجدید پر فائز فرمایا، اور انھوں نے اپنے تجدیدی کارناموں سے اس خلا کو پُر کر دیا، جو علماے ربانیین کی شہادت کے بعد ہندوستان میں پیدا ہو گیا تھا۔

امامِ اہلِ سُنّت نے بیک وقت سیکڑوں علما کی ذمہ داریوں کو تن تنہا بحسن وخوبی انجام دیا۔ اہلِ سُنّت کے بہت سے مدارس بند ہو گئے تھے، مگر انہوں نے بریلی شریف میں ایسے علما کی علمی وفکری تربیت کی، جن کا ہر فرد ایک علمی تحریک اور ایک درس گاہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ انھوں نے دُنیا کو صدر الافاضل جیسا عظیم مفسر، مناظر اور مدرس؛ صدر الشریعہ جیسا عظیم فقیہ؛ ملک العلماء جیسا محدث، ماہرِ فلکیات و ریاضی؛ مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی جیسا عالمی مبلغ اور سیدی مفتی اعظم جیسا عظیم فقیہ، ولی کامل اور مرشدِ برحق دیا، اور ان حضرات کے علاوہ بہت سی شخصیتوں کی تربیت کے بعد اسلامیانِ ہند اور بیرونِ ہند کی علمی، فکری، دینی، سیاسی اور معاشرتی قیادت کا منصب عطا فرمایا۔

یک چراغ ست دریں خانہ کہ از پرتو آں
ہر کجامی نگری انجمنے ساختہ اند

ان اکابرِ ملت نے امام اہلِ سُنّت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے بعد کم و بیش ایک صدی تک ملتِ اسلامیہ کی قیادت کا فریضہ انجام دیا۔اس سلسلۃ الذہب کی آخری کڑی سیدی ومرشدی مفتی اعظم کی ذات تھی۔جنھوں نے اپنے تدبر، معاملہ فہمی سے ان شخصیات کے ساتھ مل کر اپنے دور کے تمام فتنوں کا جواب دیا اوران حضرات والاتبار کے بعد کم و بیش نصف صدی تک اپنے فتاویٰ جات اور فیضانِ نظر کے ذریعے کشتیِ ملّت کی ناخدائی کا فریضہ انجام دیتے رہے۔حضور مفتی اعظم کے وصال کے بعد یہ خیال پریشان کر رہا تھا کہ بریلی شریف کی علمی اور فکری قیادت کا سلسلہ کہیں رُک نہ جائے؛ مگر مشیت کے خود اپنے فیصلے ہوتے ہیں۔حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کے وصال کے بعد حضرت تاج الشریعہ مطلع ہند پر علم و فضل کے آفتابِ عالمتاب بن کر جلوہ گر ہوئے اور تھوڑے ہی دنوں میں اربابِ علم و دانش نے اُن کی علمی عظمت اور عبقریت کو تسلیم کرلیا۔انھوں نے بیک وقت تدریس، افتا، تصنیف و تالیف کی مصروفیات کے ساتھ ساتھ ملک اور بیرون ملک تبلیغی دَوروں اور بیعت و ارشاد کے ذریعے لاکھوں افراد کو تصلب فی الدین کی دولت سے مالا مال فرمایا۔

مسندِ افتا پر فائز ہونے کے بعد انھوں نے سوالات کے جوابات کے سلسلے میں وہی اسلوب اختیار فرمایا؛ جو امامِ اہلِ سُنّت اعلیٰ حضرت اور حضور مفتی اعظم علیہما الرحمۃ والرضوان کا تھا، یعنی جوابات کو قرآن و حدیث، اجماع اور قیاس کی روشنی میں اس قدر مدلل فرما دیتے کہ شک کی کوئی گنجائش باقی نہ رہتی۔عصرِ حاضر میں پیدا ہونے والے سوالات کے جوابات میں حالات اور زمانہ کے اعتبار سے استنباط فرمانے میں منفرد نظر آتے ہیں۔

علم حدیث میں ان کے رسوخ کا جائزہ لینا ہو تو ان کی بعض کتب اور رسائل کا مطالعہ ان کی علمی عظمت کی شہادت کے لیے کافی ہوگا۔ملاحظہ فرمائیں:

شرح حدیث نیت، تعلیقات الازہری علی صحیح البخاری، بخاری شریف کی شرح میں اپنے وقت کے مشہور محدث احمد علی سہارن پوری کا علمی تعاقب۔

اسی طرح فن تفسیر میں دفاعِ کنز الایمان، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد تارخ یا آذر کی تحقیق انیق۔حضرت تاج الشریعہ نے اعلیٰ حضرت کے متعدد اہم رسائل و فتاویٰ کا اردو سے عربی، اور عربی سے اردو میں ترجمہ فرمایا۔

ان کا ترجمہ صرف لفظی ترجمہ نہیں ہوتا تھا، بلکہ (انھوں نے) بہت سے مقامات پر اصل مضمون کی تشریح کے ساتھ مزید دلائل سے آراستہ فرما کر کتاب کی افادیت میں اضافہ فرما دیا۔

ترجمہ میں المعتمد المستند اور المعتقد المنتقد کے حواشی پر مزید حاشیہ آرائی نے کتاب کے مشکل مقامات کو بہت آسان کردیا ہے۔

تعریب میں مندرجہ ذیل رسائل کا مطالعہ ان کی علمی عظمت کے اعتراف کے لیے کافی ہوگا۔ ملاحظہ فرمائیں:

۱) شمول الاسلام لاصول الرسول الکرام

۲) منیر العینین فی حکم تقبیل الابہامین

۳) قوارع القہار علی المجسمۃ الفجار

۴) الامن و العلیٰ لناعتی المصطفیٰ بدافع البلاء

۵) حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلاتین

۶) سبحان السبوح عن عیب کذب مقبوح

عربی زبان میں البریلویہ کا جواب "مرأۃ النجدیۃ" اور قاضی عطیہ کی تقدیم پر علامہ ازہری کی تنقید علامہ ازہری کے علمی مقام کی رفعت کو سمجھنے کے لیے کافی ہے۔ عربی ادب میں ان کی مہارت تامہ کا جائزہ لینے کے لیے اہلِ علم سے درخواست ہے کہ وہ؛ علامہ ازہری کی "الفردہ فی شرح البردہ" کا مطالعہ کریں۔

علماے عرب نے قصیدۂ بردہ کی بہت سی شروح تحریر فرمائی ہیں، مگر "الفردہ" ان تمام شروح میں فردِ فرید کی حیثیت رکھتی ہے۔ زبان کی سلاست اور مفہوم کا ابلاغ ان کے علم معانی اور بیان پر کامل دسترس کے گواہ ہیں۔ انھوں نے صرف اشعار کی تشریح ہی نہیں کی ہے، بلکہ ہر شعر کے ساتھ متعدد اشعار انھوں نے بطورِ استشہاد تحریر فرمائے ہیں۔ اس طرح "الفردہ" میں سیکڑوں مزید اشعار کی شمولیت نے اربابِ علم وادب کے علمی، ادبی اور شعری مذاق کی تسکین کا سامان فراہم کردیا ہے۔

اشعار کی تشریح میں آیاتِ قرآنیہ اور احادیث سے استشہاد فرما کر مسلکِ اہل سنت و جماعت کی حقانیت کو مبرہن فرمادیا ہے۔

نحوی تراکیب، استعارات و کنایات کی وضاحت، تلمیحات کی تشریح ان کے ادبی مقام کی شاہد عدل ہیں۔

اور یہ جان کر بے پایاں حیرت ہوتی ہے کہ حضرت علامہ ازہری نے پوری کتاب دورانِ سفر املا کرائی ہے۔ مضامین کا استحضار، احادیث اور آیاتِ قرآنیہ سے استدلال، محدثین، فقہا اور صوفیاء کرام

کے اقوال سے اشعار کی وضاحت وتشریح، یہ سب کچھ؛ اور وہ بھی حالتِ سفر میں یقیناً یہ ان کی کرامت ہے اور اعلیٰ حضرت کا علمی فیضان ہے۔

ایک بہت اہم کام ''فتاویٰ رضویہ'' کی تعریب کا آغاز انھوں نے فرما دیا تھا، اور سنا ہے کہ متعدد جلدوں کا ترجمہ مکمل ہو گیا ہے۔ کاش! ان کی حیات نے وفا کی ہوتی اور یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا ہوتا۔ اب ان کی روح کے ایصالِ ثواب کے لیے علماے اہلِ سُنّت بالخصوص حضرت علامہ محمد عسجد رضا خاں قادری مدظلہ العالی کی ذمہ داری ہے کہ وہ علما کا ایک بورڈ تشکیل دے کر اس کام کو مکمل کرا دیں۔

حضرت تاج الشریعہ کے وصال کا غم پوری سُنّی دُنیا کو ہے اور شاید ہمیشہ رہے گا، مگر خود تاج الشریعہ دُنیا سے بہت مطمئن گئے ہوں گے، اس لیے کہ انھوں نے اپنے ذمہ کے بیش تر کام کو مکمل فرما لیا تھا۔ انھوں نے تدریس کے فرائض انجام دیے اور شاگردوں کی ایک جماعت چھوڑی۔ وصال سے قبل تک مسندِ افتا کے وقار کو بحال رکھا۔ ایک عظیم درس گاہ ''مرکز الدراسات الاسلامیۃ جامعۃ الرضا'' قائم فرما کر مستقبل کے معماروں کے لیے ایک تربیت گاہ؛ آنے والی نسلوں کے حوالے کی۔ ہندوستان اور بیرون ہند تبلیغی دَوروں کے ذریعے مسلک کی اشاعت فرمائی اور بیعت و ارشاد کے ذریعے ہزاروں مریدین اور سیکڑوں خلفا کی جماعت دُنیا کے حوالے کی، تقویٰ اور پرہیزگاری کے بلند مقام پر فائز ہو کر علما اور داعیانِ دین کے لیے نمونہ بن گئے، غالباً ایسے عالم رجال کے سفرِ آخرت کے بارے میں قرآن عظیم نے ارشاد فرمایا ہے:

يَاۤ اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ (سورۃ الفجر: ۲۷-۳۰)

''اے اطمینان والی جان اپنے رب کی طرف واپس ہو یوں کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی، پھر میرے خاص بندوں میں داخل ہو اور میری جنت میں آ۔'' (ترجمۂ کنز الایمان)

تاج الشریعہ کا دورۂ برطانیہ

سعودی عرب نے امام اہلِ سُنّت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کے ترجمۂ قرآن کنز الایمان پر پابندی عائد کی، اور یہ حکم نامہ جاری کیا کہ یہ ترجمہ جہاں کہیں بھی دست یاب ہو سوخت کر دیا جائے۔ سعودی عرب کے اس فیصلے کے خلاف پوری دُنیا میں اہل السنۃ والجماعت نے احتجاج کیا اور شدید غم و غصہ کا اظہار کیا۔ اس صورتِ حال کو سامنے رکھتے ہوئے ورلڈ اسلامک مشن کے اراکین بالخصوص قائد اہلِ سُنّت علامہ شاہ احمد نورانی، پروفیسر شاہ فرید الحق، علامہ ارشد القادری، علامہ شاہد رضا

نعیمی اشرفی، نبیرۂ دیوان آلِ رسول سید غلام السیدین اور خادم قمر الزماں اعظمی نے ایک ہنگامی میٹنگ منعقد کی، جس میں اس بات پر غور کیا گیا کہ سعودی عرب کے اس فیصلے کے خلاف کوئی مؤثر حکمتِ عملی تیار کی جائے، اور احتجاج اس قدر مؤثر ہو کہ سعودی عرب کے اربابِ اقتدار اپنے اس ظالمانہ فیصلے کو تبدیل کریں، یا کم از کم آئندہ ایسی جرأت نہ کریں۔ اس کے ساتھ ساتھ انھیں یہ بھی باور کرایا جائے کہ ترجمۂ کنز الایمان عصرِ حاضر کا بہترین ترجمہ ہے، اور اس میں کوئی بات قرآن و سُنّت کے خلاف نہیں ہے۔ ترجمۂ کنز الایمان کے سلسلے میں ہندو پاک کے وہابیہ اور دیابنہ نے سعودی عرب کو گم راہ کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے، اور علماے اہلِ سُنّت اس سلسلے میں سعودی علما سے گفتگو کرنے کے لیے تیار ہیں۔ اس میٹنگ میں احتجاج کے لیے مختلف تجاویز منظور کی گئیں۔

حجاز کانفرنس کی تجاویز حسب ذیل ہیں:

(۱) اس کانفرنس کا نام ''حجاز کانفرنس'' ہوگا۔

(۲) برطانیہ میں ایک عالمی کانفرنس منعقد کی جائے، جس میں دُنیا کے مختلف ممالک کے علما کو مدعو کیا جائے اور انھیں حقیقتِ حال سے آگاہ کیا جائے۔

(۳) سعودی حکومت کے اس فیصلے کے خلاف برطانیہ کے مرکزی شہر لندن میں ایک عظیم الشان احتجاجی جلوس نکالا جائے۔

(۴) برطانیہ کے نیشنل انگریزی، عربی اور اردو اخبارات میں کانفرنس کی تفصیلات شائع کی جائیں اور ٹی وی نیز دیگر ذرائع کے ذریعے پوری دُنیا میں اس کانفرنس کی تجاویز کو عام کیا جائے۔

چوں کہ ترجمۂ کنز الایمان امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کا ہے، اس لیے ضرورت اس بات کی محسوس کی گئی کہ اس کانفرنس میں نبیرۂ اعلیٰ حضرت، حضرت علامہ اختر رضا خاں ازہری کو ضرور مدعو کیا جائے۔ چناں چہ میٹنگ کی تجاویز کے مطابق ۵ رمئی ۱۹۸۵ء کو لندن کے مشہور و عظیم الشان ہال ''ویمبلے کانفرنس سنٹر'' میں کانفرنس کے انعقاد کا فیصلہ کیا گیا، اور مندرجہ ذیل شخصیات کو دعوت نامے جاری کیے گئے:

(۱) قائدِ اہلِ سُنّت حضرت علامہ شاہ احمد نورانی علیہ الرحمۃ

(۲) تاج الشریعہ حضرت علامہ اختر رضا خاں ازہری علیہ الرحمۃ

(۳) قائدِ ملت حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ

(۴) مجاہدِ ملت حضرت علامہ عبد الستار خاں نیازی علیہ الرحمۃ

(۵) پروفیسر سید شاہ فرید الحق علیہ الرحمۃ

(۶) ورلڈ اسلامک مشن مشرق وسطیٰ کے صدر حضرت علامہ سید یوسف ہاشم الرفاعی علیہ الرحمۃ، کویت

(۷) پروفیسر ڈاکٹر ذکی بداوی علیہ الرحمۃ

(۸) شیخ طریقت شہزادۂ غوث الاعظم حضرت علامہ علاء الدین گیلانی علیہ الرحمۃ

(۹) نبیرۂ دیوان سید آل رسول علیہ الرحمۃ، سید آل رسول علیہ الرحمۃ

(۱۰) پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری (اُس وقت یہ اپنے تھے)

بحمدہٖ تعالیٰ اس عظیم الشان کانفرنس کی نقابت کے فرائض بحیثیت سکریٹری جنرل خادم نے انجام دیے۔ اور علامہ شاہد رضا نعیمی اشرفی مدظلہ العالی ناظم الامور تھے۔ جناب سید غلام السیدین صاحب مدظلہ العالی صدر تھے۔

ان مشاہیر کے علاوہ یورپ کے مختلف ملکوں سے جملہ علمائے اہلِ سُنّت کو دعوت دی گئی۔

کانفرنس انعقاد پذیر ہوئی اور برطانیہ کی تاریخ میں پہلی مرتبہ کسی اسلامی کانفرنس کے شرکا اور مندوبین سے ''ویمبلے کانفرنس سنٹر'' کا وسیع وعریض ہال ناکافی ثابت ہوا۔ بہت سے شرکا نے کئی گھنٹے تک کھڑے ہو کر کانفرنس کی کارروائیوں کا مشاہدہ کیا۔

کانفرنس کی رپورٹنگ کے لیے برطانیہ کے بیش تر انگلش، اردو اور عربی اخبارات کے علاوہ نیشنل ٹی وی کے نمائندے موجود تھے۔

کانفرنس پورے شباب پر تھی کہ تاج الشریعہ ہال میں داخل ہوئے۔ ان کے حکم کے مطابق کیمرے بند کر دیے گئے۔ کیمروں کی روشنی تو بند ہو گئی مگر علامہ ازہری کے چہرۂ پاک کی روشنی سے پورا ہال جگمگا اُٹھا۔ لوگ دیوانہ واران کی زیارت کے لیے اُٹھ اُٹھ کر شرف یابِ زیارت ہو رہے تھے۔

اور دُنیا نے پہلی بار احتیاط اور تقویٰ کا یہ منظر دیکھا۔ تاج الشریعہ نے مختصر خطاب فرمایا اور پھر کانفرنس میں منظور شدہ تجاویز کا عربی ترجمہ تاج الشریعہ نے کیا اور انھیں لندن نیز مشرقِ وسطیٰ کے عربی اخبارات نے جلی سرخیوں کے ساتھ شائع کیا۔

کانفرنس کے اختتام کے بعد حضرت تاج الشریعہ نے مانچسٹر، لندن اور لیسٹر میں جلسوں سے خطاب فرمایا۔

کانفرنس کی منظور شدہ تجاویز کو سعودی سفارت خانے کے ذریعہ شاہ فہد تک پہنچایا گیا۔

ٹی وی، انگلش اور اردو اخبارات کی رپورٹوں کے شائع ہونے کے بعد سعودی عرب کے

ایوانِ اقتدار میں زلزلہ آ گیا۔ انھیں دنوں شاہ فہد انگلینڈ کا دورہ کرنے والے تھے، اس لیے سعودیہ کے ارباب اقتدار کو خیال آیا کہ ان حالات میں اگر ورلڈ اسلامک مشن نے اپنے احتجاج کو لندن کی سڑکوں پر جلوس کی شکل میں منظم کیا تو حکومتِ سعودیہ عربیہ اور خاص طور پر شاہ فہد کے لیے شدید رُسوائی کا سامان ہوگا۔ چنان چہ شاہ فہد نے اپنی حکومت کے ایک نمائندے کو مشن کے ارکان سے ملاقات کے لیے بھیجا۔ مشن کے ارکان نے سعودی حکومت کے نمائندے سے یہ پیغام بھجوایا کہ: ہم اپنا احتجاج ملتوی کر سکتے ہیں بشرطیکہ شاہ فہد سے ہماری ملاقات کرائی جائے، تاکہ ہم اپنی تجاویز کو ان کے سامنے پیش کرسکیں۔ سعودی نمائندے نے یہ شرط منظور کر لی اور وعدہ کے مطابق شاہ فہد سے ملاقات کا موقع دیا، اور مشن کی طرف سے جناب سید غلام السیدین صاحب اور ڈاکٹر ذکی بداوی نے ملاقات کی اور مندرجہ ذیل مطالبات ان کے سامنے رکھے:

(۱) اعلیٰ حضرت کے ترجمۂ کنز الایمان سے پابندی ہٹالی جائے۔

(۲) سعودی عرب میں علماے اہلِ سُنّت اور عوام اہلِ سُنّت پر وہاں کی مذہبی پولس جو زیادتیاں کرتی ہے، اسے بند کیا جائے۔

(۳) اہلِ سُنّت و جماعت کے لٹریچر کو سعودی عرب میں داخلے کی اجازت دی جائے۔

(۴) رابطۂ عالم اسلامی میں علماے اہلِ سُنّت کو نمائندگی دی جائے۔

شاہ فہد نے کم وبیش دو گھنٹے کی ملاقات میں ان تجاویز پر عمل کرانے کا وعدہ کیا، جس کے جواب میں ورلڈ اسلامک مشن نے احتجاجی جلوس کا پروگرام کینسل کر دیا۔

بعد میں کم وبیش ایک سال تک سعودی عرب کے اربابِ حل وعقد سے مراسلت ہوتی رہی، اور متعدد بار ان سے ایفائے عہد کی یاد دہانی کرائی گئی، مگر صرف ایک مراسلے کے جواب میں سعودی حکومت نے ان علما کے نام طلب کیے جنھیں علماے سعودی عرب سے گفتگو کرنی تھی۔ اس کے جواب میں مشن سے مندرجہ ذیل علما کے اسماے گرامی ان کی خدمت میں ارسال کیے گئے:

(۱) حضور تاج الشریعہ علامہ ازہری علیہ الرحمۃ

(۲) حضرت علامہ سید شجاعت علی قادری علیہ الرحمۃ

(۳) علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ

مگر اس کے بعد ان کی جانب سے مکمل خاموشی رہی، جو تاہنوز طاری ہے۔

البتہ تاج الشریعہ کو دوسرے سال ۱۹۸۶ء میں حج کے موقع پر گرفتار کر لیا گیا اور انھیں پابندِ سلاسل کر کے جیل بھیج دیا گیا۔ یقیناً اس وقت ان کی زبان پر یہ شعر رہا ہوگا۔

بجرمِ عشقِ شما می کشند غوغائیست
تو نیز برسر بام آ کہ خوش تماشائیست

۱۱/روز کے بعد انھیں مدینہ طیبہ کی حاضری سے محروم کرتے ہوئے جدہ ایئر پورٹ سے ہندوستان روانہ کردیا گیا۔

اس ظلم عظیم کے خلاف ایک بار پھر ایک احتجاجی تحریک کا آغاز ہوگیا۔ بمبئی میں عزیز گرامی قدر جناب سعید نوری صاحب، برطانیہ میں ورلڈ اسلامک مشن اور پاکستان کے علمانے احتجاج کیا۔ شاید اس سے متاثر ہوکر حضرت تاج الشریعہ کو سعودی حکومت کی طرف سے دوبارہ عمرہ کے لیے ویزا جاری کیا گیا تاکہ وہ عمرے کے ساتھ ساتھ مدینہ طیبہ میں حاضر ہوسکیں۔

حجاز کانفرنس کے بعد سعودی عرب نے وہابی اور دیوبندی تنظیموں کو مضبوط تر کرنے کے لیے پٹرو ڈالر کے انبار لگا دیے تاکہ وہ اہلِ سُنّت و جماعت کو شکست دے سکیں۔ بحمداللہ! لاکھوں ڈالر خرچ کرنے کے بعد وہ اہلِ سُنّت کو کم زور تو نہ کرسکے، البتہ مخالفین کے اداروں کو تقویت حاصل ہوئی اور کئی بڑے ادارے برطانیہ کے مختلف شہروں میں تعمیر ہوگئے۔

تاج الشریعہ کا دورۂ امریکہ

امریکہ میں ٹیکساس اسٹیٹ کے مشہور شہر ہیوسٹن میں قادیانیوں نے قادیانیت کی تبلیغ کے لیے ایک ریڈیو اسٹیشن قائم کیا اور شب و روز مسیلمۂ قادیاں غلام احمد کی باطل نبوت کا پروپیگنڈہ شروع کر دیا۔ اس صورتِ حال سے مسلمانانِ امریکہ بہت پریشان تھے، چنان چہ ہیوسٹن کی النور سوسائٹی نے قادیانیوں کے رد کے لیے ایک عظیم الشان جلسہ کا اہتمام کیا، اور ہندوستان سے تاج الشریعہ اور محدث کبیر اور مجھ خاکسار کو مدعو کیا گیا۔ بحمداللہ! اس اجتماع کے بعد قادیانیوں کی تحریک انڈر گراؤنڈ ہوگئی۔

تاج الشریعہ ازہر شریف میں

حکومت مصر نے ۱۹۶۰ء کے آغاز میں بطورِ خیر سگالی ہندوستان اپنے دو اساتذہ کو بھیجا جن میں ایک شیخ عبدالوہاب تھے، جنھیں دارالعلوم دیوبند کے لیے اور شیخ عبدالتواب کو بریلی شریف کے لیے تدریس کی ذمہ داری سپرد کی۔ شیخ عبدالتواب اپنی ظاہری وضع قطع کے اعتبار سے بریلی شریف کے معیار پر پورے نہیں اُترتے تھے، اس لیے سیدی مفتی اعظم علیہ الرحمۃ ان کی آمد سے زیادہ خوش نہیں تھے۔ عقیدۃً وہ سُنّی تھے اور تصوف کی طرف مائل تھے۔ میری ملاقات ان دونوں استادوں سے لکھنؤ میں ہوئی۔ شیخ عبدالتواب بریلی شریف کے تصلب فی الدین سے قدرے نالاں تھے، مگر انھوں نے دورانِ

تدریس اس جوہر کامل کو پرکھ لیا، جس کا نام اس وقت اختر رضا خاں تھا؛ انھوں نے علامہ اختر رضا ازہری علیہ الرحمۃ کو جامعہ ازہر کے لیے راضی کرلیا۔ اس کی اطلاع جب حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کو ہوئی تو وہ قدرے ناراض ہوئے اور شیخ عبدالتواب سے بھی اپنی ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ ازہر کا ماحول بے پناہ آزاد تھا۔ وہاں کے علما کی اباحیت پسندی اور مصری عوام کی مغرب زدگی قابلِ قبول نہ تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب شریعت کے مطابق داڑھی رکھنے والے کو مصری عوام یہودی خیال کرتے تھے اور مصری پولس ان کا تعاقب کرتی جو لمبی داڑھی رکھنے والے تھے۔

بعض نام نہاد مصری دانش وروں کا خیال تھا کہ داڑھی دراصل اسلام سے قبل بھی عربوں کا کلچر تھا۔ مسلمانوں نے اس کو اختیار کرلیا۔ اس کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ معاذ اللہ۔

یہ وہ دور تھا جب جنگ رمضان ۱۹۵۷ء کی کامیابی کے بعد جمال عبدالناصر فرعونِ وقت بن کر اُبھرا اور مصریوں کو نحن ابناء الفراعنہ کا نعرہ دیا، جس کے نتیجے میں ۱۹۶۷ء میں اسرائیل نے انھیں بھرپور شکست سے دوچار کیا۔ ان حالات میں سیدی مفتی اعظم کی پریشانی بجا تھی، مگر جب تاج الشریعہ نے اپنے بھرپور عزم و ارادے کا اظہار کیا تو سیدی مفتی اعظم نے ان کو دُعاؤں کے ساتھ رُخصت کیا۔

ازہر شریف میں علامہ ازہری ممتاز ترین طلبہ میں تھے۔ فراغت کے بعد جمال عبدالناصر صدر مصر کے ہاتھ سے سندِ امتیاز حاصل کی (ازہر کی تقسیم اسناد کی تقریب میں صدر مصر شرکت کرتے تھے۔) اور اپنی عظیم خاندانی روایات کو سنبھالے ہوئے بریلی شریف واپس ہوئے تو بریلی شریف کے اسٹیشن پر سیدی مفتی اعظم خود استقبال کے لیے موجود تھے۔ آپ نے ان کو گلے لگایا اور پیشانی کو بوسہ دیا۔

یقیناً ان کو یہ دیکھ کر بے پایاں خوشی ہوئی ہوگی کہ علامہ ازہری نے بوقتِ رُخصت جو وعدہ کیا تھا اسے بخوبی نبھایا اور جامعہ ازہر کے آزاد ماحول کی بھٹی میں تپ کر مزید نکھر گئے۔

تاج الشریعہ کی مجھ پر نوازشات

سیدی مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ کی طرح تاج الشریعہ علامہ ازہری علیہ الرحمۃ بھی مجھ پر بے پایاں مہربان رہے۔ ابتداءً جب وہ ازہر سے آئے تو بارہا ملاقات کا شرف حاصل رہا۔ بریلی شریف کی نشستوں میں ان کی علمی اور ادبی گفتگو سے فیض یاب ہوتا رہا، وہ عربی اور اردو زبان کے عظیم شاعر تھے، وہ اپنے عربی اشعار سناتے اور ہمیں داد و تحسین کا موقع عطا فرماتے، ایک دفعہ میں نے ان کے ایک عربی

شعر کے بارے میں کچھ معروضات پیش کیں تو انھوں نے اس کے جواب میں کئی صفحات پر مشتمل ایک مقالہ تحریر فرما کر انگلینڈ بھیجا، افسوس کہ وہ محفوظ نہ رہ سکا، ورنہ وہ ایک علمی اور ادبی شہ پارہ کی حیثیت سے شاملِ تحریر ہوتا۔

جب تک وہ تدریس اور منصب افتا کی ذمہ داریوں کے حوالے سے بریلی شریف میں قیام فرما رہے، تو بارہا ملاقات کا شرف حاصل ہوتا رہا لیکن جب ان کے تبلیغی دَورے بہت زیادہ ہو گئے اور میں مغربی ممالک میں مصروف ہو گیا تو ملاقات کے مواقع کم ہو گئے۔ پھر بھی انگلینڈ، امریکہ، دوبئی اور زمبابوے وغیرہ کے دَوروں میں ملاقات سے فیض یاب ہوتا رہا۔

چند سال قبل حج کا زمانہ تھا، میں مکہ مکرمہ میں مقیم تھا، میں نے سُنا کہ تاج الشریعہ جدہ میں قیام پذیر ہیں۔ میں نے فون کیا تو معلوم ہوا کہ حضرت آرام فرما رہے ہیں۔ بہر حال میں کسی وجہ سے جدہ حاضر نہ ہو سکا، بعد میں ان کے ایک حاضر باش نے مجھے خبر دی کہ حضرت پوچھ رہے تھے ''اعظمی آنے والے تھے، آئے کیوں نہیں'' پھر مجھے معلوم ہوا کہ حضرت طوافِ زیارت کے لیے آنے والے ہیں تو میں حرم شریف میں مقام ابراہیم کے قریب بیٹھ گیا۔ حضرت طوافِ زیارت کے بعد مقامِ ابراہیم پر نماز ادا کرنے کے لیے آئے تو عوام کا اتنا ہجوم ہوا کہ نجدی پولس نے عوام پر تشدد کیا۔

اس ہجوم میں عربی، مصری، ترکش، ہندی، پاکستانی سبھی شامل تھے، جو حضرت کی زیارت کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ہجوم جب ذرا کم ہوا اور حضرت جب اپنے رفقا کے ہجوم میں اوپر تشریف لائے تو میں نے دست بوسی کا شرف حاصل کیا۔ انھوں نے گلے لگایا اور دُعاؤں سے نوازا۔ مجھے یقین ہے حرم پاک میں طواف کے بعد میرے حق میں ان کی دُعا ضرور قبول ہو گی۔

☆☆☆

''رضا اکیڈمی کی خدمات'' کی قندیل فروزاں ہے۔ نئے آفاق کی تلاش جاری ہے، فروغِ رضویات کے لیے کئی رُخ سے اشاعتی کام انجام دیے گئے، مزید کی جستجو ہے، فتاویٰ رضویہ کی ۱۲؍ جلدوں میں کئی بار اشاعت ہوئی۔ پھر ۳۲؍ جلدیں چھپیں۔ صد سالہ عرس اعلیٰ حضرت کی بہاروں میں ان کی خوشبو محسوس کی گئی۔ چمنِ اہلِ سُنّت مہک مہک اُٹھا۔ پورا گلشن کھل اُٹھا۔ الحمدللہ! فتاویٰ رضویہ کی ڈیمانڈ برقرار ہے۔ اہلِ علم متوجہ ہو رہے ہیں۔ یہ فیضِ اعلیٰ حضرت و مفتی اعظم ہے۔ مدیر

تاج الشریعہ کا فقہی تبحر

قاضی فضل احمد مصباحی
صدر شعبۂ افتا جامعہ عربیہ ضیاء العلوم، بنارس/ رکن شرعی کونسل بریلی شریف

حضور تاج الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ کا شمار دُنیا کی ان عظیم شخصیتوں میں ہوتا ہے جن کے نام اور کام رہتی دُنیا تک باقی رہیں گے۔ آج حال یہ ہے کہ جو مہر تاباں غروب ہوتا ہے اس کی جگہ معمولی چراغ بھی جلتا ہوا نظر نہیں آتا۔ اب ایسے افراد پیدا ہی نہیں ہو رہے ہے جو علم وعمل کے جامع اور بزرگوں کے مزاج و مسلک سے بخوبی واقف، امام احمد رضا قدس سرہ کے علوم کے شارح و ناشر، قرآن کریم کے قابلِ رشک مفسر، حدیث نبوی کے کامیاب ترین ماہر محدث ہوں۔

موصوف کثیر الجہات شخصیت کے مالک تھے، ان کی شخصیت کا ہر پہلو روشن اور تابناک تھا پاکیزہ اخلاق وسیرت، بحث وتحقیق کی اعلیٰ صلاحیت، زبردست علمی استحضار، تحریر و بیان پر غیر معمولی قدرت، فقہ وافتا میں حد درجہ مہارت گویا وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔

بلاشبہ ان کی زندگی کا ہر لمحہ علم نبوت کی ترویج واشاعت میں گزرا۔ انہوں نے علم وعمل اور عزیمت وکردار کے جو چراغ روشن کیے ان شاء اللہ ان کی روشنی قائم ودائم رہے گی۔

آج کی اس نشست میں میرا عنوان سخن ہے ’’تاج الشریعہ کا تفقہ فی الدین‘‘ اس لیے ذیل میں فقہ کی اہمیت وافادیت کا قدرے تفصیل سے جائزہ پیش کیا جارہا ہے تاکہ یہ واضح ہوسکے کہ دین میں فقاہت کسی فقیہ کے لیے ایک عظیم نعمت اور سراپا خیر ہی خیر ہے؛ اور اس کے بعد حضور تاج الشریعہ کے فقہ وفتاویٰ سے کچھ تحقیقی شواہد پیش کیے جائیں گے۔

فقہ: کے معنیٰ دین کی گہری سمجھ ہے، اور اصطلاح میں احکام شرعیہ کو تفصیل دلائل کے ساتھ جاننے کا نام فقہ ہے۔ فقہ میں مہارت پیدا کرنا اُمت پر فرضِ کفایہ ہے، اور ہر دور میں ایسے ماہر علما کا وجود ناگزیر ہے جو ضرورت کے وقت اُمت کی دینی وشرعی رہنمائی کرسکیں۔ قرآن وحدیث میں تفقہ فی الدین کی اہمیت وافادیت بیان کی گئی ہے۔ ارشاد باری ہے۔

"فَلَوۡلَا نَفَرَ مِنۡ كُلِّ فِرۡقَةٍ مِّنۡهُمۡ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوۡا فِى الدِّيۡنِ" (سورۂ توبہ: ۱۲۲)

ترجمہ: تو کیوں نہ ہو کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں۔

فقہ سراپا خیر ہے اور دین میں تفقہ ایک عظیم نعمت ہے۔

حدیث شریف میں ہے "من یرد اللہ بہ خیراً یفقھہ فی الدین" (صحیح بخاری) جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ فرماتا ہے اس کو دین کی سمجھ عطا کر دیتا ہے۔

فقہ کی اصل قرآن کریم سے: اللہ عزوجل نے تفقہ فی الدین حاصل کرنے کا حکم دیا جس سے فقہ کی اہمیت و رفعت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"كُونُوا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنتُمْ تَعَلِّمُونَ وَبِمَا كُنتُمْ تَدْرُسُونَ" (سورۂ آل عمران: ۷۹) تم اللہ والے بن جاؤ کیوں کہ تم کتابِ الٰہی کی تعلیم دیتے ہو اور خود بھی اسے پڑھتے ہو۔

امام بخاری نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا:

"وقال ابن عباس کونوا ربانیین حکماً وفقھاء" (صحیح بخاری، کتاب العلم)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما نے فرمایا کہ "کونوا ربانیین" کا معنیٰ یہ ہے تم حکمت و بصیرت والے، فقہ و استنباط والے بن جاؤ۔

فقہ کی اصل حدیث سے: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

"ان لکل شیئٍ دعامۃ ودعامۃ ھذا الدین الفقہ" (کنز العمال) یعنی ہر چیز کا ایک ستون ہوتا ہے اور دین کا ستون فقہ ہی ہے۔

اس حدیث شریف میں اس بات کی صراحت کی گئی ہے کہ دین کا خلاصہ فقہ ہے، دین کا مدار فقہ ہے، دین کا سرمایہ فقہ ہے، فقہ قرآن وحدیث کے بالمقابل کسی چیز کا نام نہیں ہے؛ بلکہ قرآن کریم اور حدیث نبوی کے صحیح فہم وادراک کا نام فقہ ہے۔

ائمہ کرام وفقہاے عظام نے قرآن کریم اور احادیث نبویہ کی روشنی میں اُصول وضوابط اور قواعد واحکام بیان کیے ہیں اور انسانی زندگی میں پیدائش سے لے کر موت تک پیش آمدہ تمام مسائل کو انھوں نے تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا ہے، اسی کے مجموعہ کو فقہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس لیے ان معتمد ائمہ کرام ومجتہدین عظام کی پیروی اور تقلید دراصل کتاب وسُنّت ہی کی پیروی اور تقلید ہے۔

زبانِ نبوت سے جب فقہ اور فقہا کی عظمت بیان ہوئی تو صحابۂ کرام کی ایک بہت بڑی جماعت علم فقہ حاصل کرنے میں مصروف ہوگئی۔ انھوں نے اتنا ملکہ حاصل کر لیا کہ فتاوے دے کر اُمتِ مسلمہ کی رہنمائی کی؛ پھر آگے چل کر تابعین، تبع تابعین اور ائمۂ مجتہدین نے فقہ وفتاویٰ سے اُمتِ مسلمہ

کے لیے ہر دور میں رہنمائی کا فریضہ انجام دیا اور ان شاء اللہ زمانہ ان بندگانِ خدا سے کبھی خالی نہ ہوگا؛ جو نت نئے مسائل کا حل انہیں اُصول وضوابط کی روشنی میں باذنِ الٰہی نکالنے پر قادر ہوں گے۔ حضرت تاج الشریعہ کی ذات والاصفات بھی تفقہ فی الدین حاصل کرنے والوں کی فہرست میں نمایاں اور ممتاز ہے۔ مسائلِ شرعیہ کی تحقیق وتدقیق میں آپ کا مقام معاصر علما میں سب سے بلند ہے۔

مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے فیصل بورڈ میں آپ بحیثیت صدر الصدور فائز تھے؛ اور شرعی کونسل آف انڈیا بریلی شریف کے سرپرست اور روحِ رواں تھے۔ ان دونوں مجلسوں کے تحت بے شمار نو پید مسائل کے حل میں آپ کے قول کو ''قولِ فیصل''، آپ کی تحقیق کو ''حرفِ آخر'' کی حیثیت حاصل تھی۔

فیصل بورڈ کے تحت کئی اہم فیصلے ہوئے مثلاً: (۱) الکحل آمیز دواؤں اور رنگین چیزوں کا استعمال (۲) بیمۂ زندگی کے شرعی احکام (۳) جبری واختیاری بیمۂ اموال کے احکام (۴) شناختی کارڈ کے لیے فوٹو کھنچانا (۵) دوامی اجارہ یعنی پگڑی کے ساتھ معاملہ کرایہ داری (۶) اعضا کی پیوند کاری اور خون کی منتقلی کے احکام۔

غالباً یہ دوسرے فقہی سیمینار کا موقع تھا، حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ پورے علمی جاہ وجلال کے ساتھ اشرفیہ مبارک پور کی مجلس بحث ومذاکرہ میں موجود تھے'' دوامی اجارہ کے جواز یا عدم جواز کا مسئلہ'' زیر بحث تھا؛ مجھے وہ دن، وہ جگہ، وہ وقت اچھی طرح یاد ہے۔ دوامی اجارہ پر لکھا ہوا میں اپنا مقالہ پڑھ رہا تھا؛ میرا موقف یہ تھا: اجارہ اگر چہ اصل مذہب میں ناجائز ہے مگر چوں کہ اس پر لوگوں کا تعامل ہے اس لیے جائز ہے۔ میں نے کتب فقہ سے اس کی چند نظریں بھی پیش کی تھیں کہ اصل مذہب میں ناجائز ہوتے ہوئے بھی یہ چیزیں بوجہ تعامل جائز ہیں۔ مثلاً بٹائی پر کھیت دینا اصل مذہب میں ناجائز ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر وعید بیان فرمائی ہے تاہم بوجہ تعامل وحاجت صاحبین کی نزدیک جائز ہے اور اسی پر فتاویٰ ہے۔

مقالہ خوانی کے دوران حضور تاج الشریعہ نے فرمایا کہ یہاں تعامل وحاجت دونوں کا ذکر ہے تو کیا یہاں قرآن فی النظم کی طرح قرآن فی الحکم بھی ہے؟ میں نے عرض کیا شوافع کے نزدیک قرآن فی النظم قرآن فی الحکم کو واجب کرتا ہے؛ احناف کے یہاں نہیں، حضرت نے پھر فرمایا کیا یہ دونوں یعنی تعامل وحاجت مل کر مؤثر ہیں یا صرف ایک۔ میں نے عرض کیا کہ اسباب ستہ جن سے قول امام بدل جاتا ہے وہ مستقلاً علٰیحدہ علٰیحدہ سبب ہیں۔ تعامل ایک اگر مستقل سبب ہے اور حاجت ایک الگ مستقل

سبب، اور دونوں مستقلاً تغیرِ حکم میں مؤثر ہیں، البتہ اس مسئلہ میں دونوں متحقق ہیں اس لیے بدرجۂ اولیٰ تغیرِ حکم میں مؤثر ہیں؛ حضرت نے فرمایا: بحث کے دوران اس پر مزید گفتگو ہوگی۔ جب میں مقالہ پڑھ کر بیٹھ گیا تو میں نے دیکھا کہ حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ امام علم وفن علی الاطلاق حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین علیہ الرحمہ سے استفسار فرما رہے تھے کہ: یہ کون ہیں؟ کیا نام ہے؟ کہاں سے آئے ہیں؟ بالآخر یہ مسئلہ بھی فیصل بورڈ کے حوالہ ہوا اور حضور تاج الشریعہ کے سربراہی میں بورڈ کے ذریعے حل ہوا۔ یہ واقعہ ۱۹۹۳ء بمطابق ۱۴۱۴ھ کا ہے۔ اسی طرح ۱۹۹۸ء میں اعضا کی پیوند کاری اور خون کی منتقلی کا مسئلہ اشرفیہ مبارک پور کے فقہی سیمینار میں زیر بحث تھا، کافی بحث اور مذاکرہ کے بعد بھی مسئلہ کا شافی حل نہ نکل سکا تو یہ مسئلہ بھی فیصل بورڈ کے حوالے ہوا، اس تعلق سے بریلی شریف کے دفتر سے ایک بیان جاری ہوا؛ جس کی رپورٹ ۳/اکتوبر ۱۹۹۸ء کے اخباروں میں شائع ہوئی تھی۔ اس رپورٹ کا کچھ اقتباس ہم یہاں نقل کر دیتے ہیں۔ مسلمانوں کا فیصل بورڈ اُلجھن میں پڑا۔ بریلی دفتر! مسلم علما اور دانش وروں کا ''اعضا کی پیوندکاری اور خون کی منتقلی'' کے مسئلے پر مختلف نظریہ سامنے آیا ہے۔

نئی نسل کے علما کافی وسیع نظریہ کے حامل ہیں اور اس میں رُخصت وگنجائش کے قائل ہیں، مگر قدیم علما مکمل رُخصت دینے کے حق میں نہیں ہیں۔ فیصل بورڈ کے تمام ارکان اس مسئلے پر غور وخوض کر رہے ہیں، جلد ہی کوئی اجلاس طلب کر کے اس مسئلہ کا حل ڈھونڈھ لیا جائے گا اور اس کے بعد اس کا اعلان بھی کر دیا جائے گا، چوں کہ علما کی رائیں مختلف ہیں؛ اس لیے فی الوقت فیصل بورڈ اُلجھن میں پڑتا دکھ رہا ہے۔

درگاہ اعلیٰ حضرت کے موجودہ مفتی اعظم ہند علامہ اختر رضا خاں عرف ازہری میاں کی صدارت میں ۱۴/۱۵/ستمبر کو جامعہ اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ میں ایک اسلامی فقہی سیمینار منعقد ہوا؛ جس میں ملک بھر کے علما جمع ہوئے۔ جامعہ اشرفیہ مبارک پور پورے ملک میں دینی تعلیم کی بڑی درس گاہ اور یونیورسٹی کی حیثیت رکھتا ہے، اس سیمینار میں علاج کے لیے انسانی خون کے استعمال کو مفتی نظام الدین صاحب جائز مانتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ: خون انسان کا ایسا جزء مائع ہے جو ضرورت کے وقت مباح ہو جاتا ہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ خون کا استعمال حرام ہے مگر زندگی بچانے کے لیے اس کا استعمال جائز ہے، حالاں کہ مولانا ارشاد پرانی روایت پر قائم رہنا چاہتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ: علاج کے لیے انسانی خون کو دوسرے جسم میں داخل کرنا حرام ہے، جمال مصطفیٰ قادری کہتے ہیں کہ: ضرورتِ شرعیہ کے وقت جائز ہے لیکن اگر ضرورت کی منزل میں ہو تو حاجت شرعیہ بھی مؤثر ہوگی، سیمینار میں سب سے

صاف بات قاضی فضل احمد مصباحی نے کہی، انہوں نے کہا کہ انسان کے جزء مائع (خون) کو بطورِ دوا استعمال کرنے کی علما نے اجازت دی ہے۔ جامعہ اشرفیہ میں دو دن تک چلے سیمینار میں زیر بحث مسائل پر غور وخوض اور اس کے حل کے لیے جو فیصل بورڈ بنایا گیا ہے اس میں حضرت ازہری میاں کے علاوہ علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری، مفتی شریف الحق امجدی اور مفتی جلال الدین امجدی، شامل ہیں۔''

(خلاصۂ اخبار دینک جاگرن ۱۳/اکتوبر ۱۹۹۸ء)

فیصل بورڈ نے ان مسئلوں کا جو حل نکالا اس کی تفصیل مجلس شرعی کے فیصلے میں درج ہے:

حضور تاج الشریعہ نے گوناگوں مصروفیات کے باوجود پوری زندگی دارالافتاء و دارالقضاء کی ذمہ داری نبھائی اور بے شمار فتاویٰ اور اہم فیصلوں کے ذریعے قوم وملت کی صحیح رہنمائی فرمائی۔ آپ کے فتاویٰ کا مجموعہ دو جلدوں میں شائع ہو چکا ہے۔ ان کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو امام احمد رضا قدس سرہ سے تفقہ فی الدین کا وافر حصہ بطورِ وراثت ملا تھا۔ میرے اس دعویٰ کی تائید ان کے درج ذیل فتاویٰ سے بھی ہوتی ہے۔

وحدت الوجود کا مسئلہ: وحدت الوجود کا مسئلہ صوفیہ کے یہاں معرکۃ الآراء مسئلہ ہے جس کے ظاہر میں لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ اشتراک فی الوجود ہے مگر حاشا ایسا ہرگز نہیں۔ یہ ایسا واحد نہیں کہ چند کی طرف تحلیل کر جائے اور نہ ایسا واحد کہ حلول عینیت سے متہم ہو کر اثنیت کے مرتبہ میں اتر آئے بلکہ وحدۃ الوجود کا مفاد صرف اس قدر ہے کہ حقیقۃً ایک ہی وجود ہے باقی سب ظلال وعکوس اور اسی کے پرتو وجود سے موجود ہیں، ذات پاک اس واجب الوجود کی نہ اس کی کوئی مثل وشبیہ نہ وہ کیف وشکل کے متصف، جسم وجہت ومکان سے معرا اور امروز وزمان سے منزہ، اس کی ذات اور ذوات کی مناسبت سے مبرا ہے۔ چنانچہ اس مسئلے پر کلام کرتے ہوئے امام احمد رضا قدس سرہ راقم ہیں:

''عقیدہ جماہیر اہلسنّت یہ ہے کہ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ شانہ، واحد ہے، نہ عدد سے خالق ہے نہ علت سے فعال ہے نہ جوارح سے قریب ہے نہ مسافت سے، حیات وکلام وسمع وبصر وارادہ قدرت وعلم وغیرہا تمام صفات کمال سے ازلاً وابداً موصوف اور تمام شیون شین عیب سے اولاً وآخراً بری، ذات پاک اس کی نہ ضد وشبہ ومثل وکیف وشکل وجسم جہت ومکان امروز زمان سے منزہ جس طرح ذات کریم اس کی مناسبت ذوات سے مبرا اسی طرح صفات کمالیہ اس کی مشابہت صفات سے معرا تمام عزتیں اس کے حضور پست اور سب ہستیاں اس کے آگے نیست۔ کل

شیئِ مالك الا وجهه الآیہ وجود واحد موجود واحد باقی سب اعتبارات ہیں ذرات اکوان کواس کی ذات سے ایک نسبت مجہولۃ الکیف ہے جس کے لحاظ سے من وتو کوموجود وکائن کہا جاتا ہے اوراس کے آفتاب وجود کا ایک پرتو ہے کہ کائنات کا ہر ذرہ نگاہ ظاہر میں جلوہ آرائیاں کررہا ہے اگراس نسبت پرتو سے قطع نظر نہ وہ واحد جو چند کی طرف تحلیل پائے نہ وہ واحد جو بہ تہمت حلول عینیت اوج وحدت سے حضیض اثنیت میں اتر آئے ھو ولاموجودالاھوایت کریمہ"سبحانہ تعالٰی عما یشرکون" جس طرح شرکت فی الالوہیہ کورد کرتی ہے یوں ہی اشتراک فی الوجود کی نفی فرماتی ہےاورملخصاً۔" (فتاوٰی رضویہ جلد ۲۹/صفحہ ۳۴۳،۳۴۴)

مسئلہ وحدۃ الوجود سے جوعینیت واتحاد کا وہم ہوتا ہے اس تعلق سے حضرت تاج الشریعہ علیہ الرحمہ کا فرمان ہے کہ یہ اصطلاح صوفیہ سے عدم واقفیت کا نتیجہ ہے ورنہ حقیقت میں یہ نہ عینیت ہے نہ اتحاد خالق ومخلوق۔

وہ رقم طراز ہیں:

"عینیت واتحاد میان خالق ومخلوق کا قول صوفیہ کے موہمات ومشکلات میں غلو کا ثمرہ اوران کی اصطلاح سے ناواقفی کا نتیجہ ہے اوراسے صوفیہ صافیہ کا مذہب سمجھنا جہالت ہے وہ صاف صاف اتحاد خالق ومخلوق کوالحادوزندقہ بتارہے ہیں بلکہ وہ جو عینیت بولتے ہیں وہ اصطلاح ہے جوعینیت کے ساتھ مجتمع ہوجاتی ہے اوراس کا مرجع ومآل وہی وحدت موجود مطلق ووحدۃ وجود حقیقی مطلق ہےاوراس کے سوا جو کچھ ہے وہ اس کے اعتبارات وظلال وعکوس ہیں جن کے اوپر احکام حدوث وفنا وتغیر وتبدل وزوال جاری ہوتے ہیں اور وہ موجود مطلق قدیم وباقی، حدوث وفنا سے منزہ، تغیر وتبدل سے معرا لہٰذا ایک کا دوسرے پر اطلاق الحادوزندقہ ہے لہٰذا حضرات صوفیا سے جو کچھ موہم عینیت منقول ہو وہ اولاً عدم ثبوت پر اور ثانیاً بعد ثبوت غلبۂ حال وسکر پر محمول اوراس میں تاویل ضروراوروہ مستحق اتباع نہیں جیسا کہ ماسبق سے ظاہر۔" (فتاوٰی تاج الشریعہ، ج۱ص۱۹۰۔۱۹۲)

شب معراج رویت باری: شب معراج حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رب کا دیدارفرمایا ۔یا۔نہیں یہ مسئلہ سلف میں مختلف فیہ رہا ہے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ شدّ ومد کے ساتھ اس رویت کا

انکار کرتی ہیں، بلکہ صحیح بخاری میں تو یہاں تک ہے کہ ام المؤمنین فرماتی ہیں اگر کوئی حدیث بیان کرے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو وہ جھوٹا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لا تدرکه الابصار

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت سے رویت کا ثبوت ملتا ہے۔ حضرت ابن عباس کے قول کو ترجیح دیتے ہوئے تاج الشریعہ کا کہنا ہے کہ حضرت ابن عباس کا قول سماع و تلقی پر محمول ہے، جب کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا انکار بر بنائے اجتہاد و استنباط ہے لہٰذا حضرت ابن عباس کے قول جو حکماً مرفوع ہے حضرت عائشہ کے اجتہاد و استنباط والے قول پر ترجیح حاصل ہے۔ چنانچہ آپ رقم طراز ہیں:

> ''یہ مسئلہ سلف میں مختلف فیہ ہے اور ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو شب معراج سر کی آنکھوں سے دیکھا۔ رہا حضرت عائشہ کا انکار تو وہ بر بنائے اجتہاد و استنباط ہے نہ بر بنائے روایت اور یہ روایات حضور علیہ الصلاۃ والسلام سے سماع و تلق ی پر محمول ہیں کہ رویت خداوندی کی حکایت ایسی بات نہیں کہ قیاس سے کہہ دی جائے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر یہ گمان نہیں ہوسکتا کہ انھوں نے یہ قول اپنی رائے اور گمان سے کہہ دیا ہوگا بلکہ لامحالہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام سے سنا ہوتا تو ان کا یہ قول حدیث مرفوع و مسند بہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم میں ہے اور حضرت عائشہ کے قول پر مقدم ہے ،لہٰذا اکثر علمائے اہلسنّت کے نزدیک راجح و معتمد یہی ٹھہرا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو بچشم سر لیلۃ الاسراء میں دیکھا۔''

(فتاویٰ تاج الشریعہ، ج ۱ ص ۳۳۲، ۳۳۳)

مسئلہ علم غیب: اہل سنت و جماعت اور بد مذہبوں کے درمیان علم غیب کا مسئلہ بھی معرکۃ الآراء رہا ہے، اہلِ حق و باطل کے درمیان اس عنوان پر کئی ایک مناظرے ہو چکے ہیں، باطل کو ہمیشہ کی طرح شکست کا سامنا کرنا پڑا ہے، مگر اپنی ضد اور ہٹ دھرمی سے وہ باز نہیں آتے۔

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ علم غیب ذاتی اللہ عزوجل کے لیے خاص ہے، جو کسی مخلوق کے لیے ثابت کرے وہ یقیناً شرک ہے، اسی طرح علم غیب عطائی مخلوق کے ساتھ خاص ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت کرے وہ بھی مشرک ہے۔ یوں ہی نبی کے معنیٰ غیب کی خبر دینے والے کے ہیں جو مطلقاً نبی سے علم غیب کی نفی کرے وہ کافر ہے، اس تعلق سے تاج الشریعہ نے جو علم غیب ذاتی و عطائی میں فرق کیا اور وہابیہ

ودیابنہ کا جس طرح ردفرمایا ہے خود ان ہی کے الفاظ میں سنیے:

''بالجملہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے علم غیب کی نفی اصل نبوت کا انکار اور بکثرت آیات قرآنیہ کی تکذیب بھی ہے جو کفر ہے یوں ہی وحی کو غیب نہ کہنا قرآن کو جھٹلانا ہے البتہ علم غیب ذاتی خاصۂ باری تعالیٰ کا ہے جو مخلوق کے لیے ثابت کرے بلاشبہ مشرک ہے اور بفضلہٖ تعالیٰ کوئی سنی ایسا نہیں اور علم غیب عطائی اصالۃً وانبیاء وسید الانبیاء اور ان کے طفیل میں اولیا بلکہ عام مؤمنین کے لیے بھی ثابت ہے اس عطائی کو خاص بجانب باری تعالیٰ بتائے وہ مشرک ہے اگر چہ مؤحد بنتا ہو۔'' (فتاویٰ تاج الشریعہ، ج۱،ص ۳۴۰)

بدعت کی بحث: بدعت کی دو قسمیں ہیں: (۱) بدعت حسنہ (۲) بدعت سیئہ

بدعت حسنہ: وہ ہے جس کی اصل شرع سے ثابت ہو اور مقصد شرع کی موافق ہو۔

بدعت سیئہ: وہ ہے جس کی اصل شرع سے ثابت نہ ہو اور وہ مخالف ومزاحم سنت ہو۔

بدعت سیئہ قبیح وشنیع اور بمقتضائے حدیث گمرہی ہے، اس کے برخلاف بدعت حسنہ ضلالت تو درکنار مستحب ومباح کے درجے سے ترقی کر کے کبھی واجب کے درجہ تک بھی پہنچ جاتی ہے، مگر وہابیہ ودیابنہ اس قسم کی بدعت کو بھی بدعت وضلالت کے زمرے میں شامل کر کے علم سے بیگانگی کا برملا اظہار کرتے ہیں، ملا علی قاری رقم طراز ہیں:

''قال النووی البدعة کل شیء عمل علیٰ غیرِ مثالِ سبق وفی الشرع احداث مالم یکن فی عهدِ رسول الله صلی الله علیه وسلم وقوله کل بدعتِ ضلالة عام مخصوص قال الشیخ عزالدین بن عبد السلام فی آخر کتاب القواعد البدعة اما واجبة کتعلم النحو لفهم کلام الله ورسوله واما محرمة کمذهب الجبریة والقدریة والمرجئةوالمجسمة والرد علٰی هٰؤلاء من البدعةالواجبة لان حفظ الشریعةمن هٰذه البدع فرض کفایة واما مندوبة کاحداث الربط ولمدارس واما مکروهة کزخرفة المساجد وتزویق المصاحف۔یعنی عندالشافعیةایضاوالافعندالحنیفةمکروهة۔'' (مرقاۃ المفاتیح، ج۱،ص ۲۲۳)

یعنی امام نووی نے فرمایا: ہر وہ کیا جانے والا کام جس کی ماسبق میں کوئی مثال نہ ہو بدعت کہلاتا ہے اور شرع میں ایسی ایجاد کو کہتے ہیں جو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں نہ تھی اور حضور کا یہ فرمان کہ ہر بدعت گمرہی ہے عام مخصوص ہے، شیخ عزالدین بن عبدالسلام نے کتاب

القواعد کے آخر میں فرمایا: بدعت یا تو واجب ہے جیسے اللہ عزوجل اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو سمجھنے کے لیے علم نحو سیکھنا، یا بدعت حرام ہوتی ہے جیسے جبریہ قدریہ مرجئہ اور مجسمہ کا مذہب۔ ان گمراہ فرقوں پر رد بدعت واجبہ ہے اس لیے کہ ان بدعتیوں سے شریعت کی حفاظت فرض کفایہ ہے۔ یا بدعت مندوب ومستحب ہوتی ہے جیسے پل اور مدرسے بنانا، یا بدعت مکروہ ہوتی ہے، جیسے مساجد کی تزئین اور مصاحف پر سونے کا پانی چڑھانا، یہ شافعیوں کے نزدیک ہے ورنہ حنفی کے یہاں یہ سب مباح ہے یا بدعت مباح ہوتی ہے جیسے فجر وعصر کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا یعنی شوافع کے نزدیک ورنہ حنفی کے یہاں فجر وعصر کی تخصیص مکروہ ہے۔ بدعت کی تعریف اور اس کے مصادیق کی تحدید وتعیین اور اس کے اطلاق کے جواز وعدم جواز کے درمیان فرق واضح کرتے ہوئے حضرت تاج الشریعہ بڑے جامع الفاظ میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''لفظ بدعت شرع میں دو معنیٰ پر آتا ہے، معنی اول مخالف ومزاحم ومعارض ومصادم سنت مثلاً حکم شرع کے برخلاف ہے بدعت بایں معنی ضلالت ہونے میں کوئی شک نہیں حدیث میں جو بدعت کی شناعت اور بدعتی پر وعید وارد ہے یہی معنی ہے اور اس معنی کے اعتبار سے خوارج، روافض، معتزلہ ظاہریہ وغیرہم بد مذہبوں کو اہل بدعت کہتے ہیں، اور عقائد وہابی اس معنی میں داخل اور یہ لوگ باعتبار اس معنی کے اہل بدعت میں شامل ہیں۔ معنی دوم جو فعل بعینہ وبہیئت کذائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ خود کیا نہ اُمت کو حکم دیا نہ برقرار رکھنا منقول ہوا تو اصل اس کی شرع سے ثابت اور مقصود شرع کے مناسب اور قواعد حسن ووجوب کے تحت مندرج اور مصالح دینیہ پر مشتمل ہو بدعت بایں معنی علی الاطلاق گمرہی وضلالت نہیں حسنہ بھی ہوتی ہے، اور اقسام پنجگانہ واجب، مستحب، مباح، مکروہ، حرام کی طرف تقسیم کی جاتی ہے۔''
>
> (فتاویٰ تاج الشریعہ، ج ۲، ص ۵۵)

ذکر ولادت کا استحسان: ذکر میلاد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور اس موقع سے زینت و آرائش اظہار فرحت وسرور زمانۂ قدیم سے چلا آرہا ہے، گوکہ مروجہ میلاد وقیام کا ثبوت دورِ صحابہ وتابعین میں مخصوص ہیئت وکیفیت کے ساتھ کہیں مذکور ومنقول نہیں مگر یہ بدعت بھی نہیں جیسا کہ بدمذہب زمانہ اسے شرک وبدعت قرار دیتے نہیں تھکتے اور اپنا پورا زور اس میں صرف کردیتے ہیں، جب کہ کسی کام کا نہ کرنا اور ہے اور منع کرنا شی دیگر ہے، نہ کرنے سے بدعت وحرمت کا حکم نہیں لگے گا، جب تک کہ اس

سے منع نہ کیا گیا ہو، علماے عرب وعجم ایک زمانہ سے میلاد وقیام بوقت ذکر خیر الانام مستحب و مستحسن قرار دیتے چلے آرہے ہیں اوراس کے مقصود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اوران کی پیدائش پر خوشی کا اظہار ہے اور یہ شرعاً محبوب ہے تو یہ یقیناً مسنون و مستحسن ہے امام بخاری راقم ہیں:

''ثم لازال اهل الاسلام فی سائر الاقطاع والمدن يشتغلون فی شهر مولده صلی الله عليه وسلم بعمل الولائم البديعة المشتملة على الامور البهجة الرفيعة ويتصدقون فی لياليه بانواع الصدقات ويظهرون الصرور ويزيدون فی المبرات ويعتنون بقرائة مولد الكريم ويظهر عليه من بركاته كل فضلِ عميم انتمى۔'' (انسان العیون، جلد ا، ص ۸۳)

یعنی اہلِ اسلام تمام اطراف واقطار اور شہروں میں بماہ ولادت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم عمدہ کاموں اور بہترین شغلوں میں رہتے ہیں اوراس ماہِ مبارک کی راتوں میں قسم قسم کے صدقات اور اظہارِ سرور وکثرتِ حسنات واہتمام قرات مولد شریف عمل میں لاتے ہیں اوراس کی برکت سے ان پر فضل عمیم ظاہر ہوتا ہے۔

امام احمد رضا قدس سرہ رقم طراز ہیں:

''ولادت حضور صاحب لولاک تمام نعمتوں کی اصل ہے تو آپ کی خوبیوں کے بیان واظہار کا نص قطعی سے ہمیں حکم ہوا اور کارخیر میں جس قدر مسلمان کثرت سے شامل ہوں اسی قدر زائد خوبی اور رحمت کا باعث ہے اور قول بعض کا کہ میلاد بایں ہیئت کذائی قرون ثلاثہ میں نہ تھا ناجائز ہے باطل اور پراگندہ ہے، اس لیے کہ قرون وزمانہ کو حاکم شرعی بنانا درست نہیں یعنی یہ کہنا کہ فلاں زمانے میں ہو تو کچھ مضائقہ نہیں اور فلاں زمانے میں ہو تو باطل اور ضلالت ہے حالاں کہ شرعاً وعقلاً زمانے کو حکم شرعی یا کسی فعل کی تحسین وتقبیح میں دخل نہیں نیک عمل کسی وقت میں ہو نیک ہے اور بد کسی وقت میں ہو برا ہے۔'' (فتاویٰ رضویہ، جلد ۲۳، ص ۷۶۰، ۷۶۱)

حضرت تاج الشریعہ اس تعلق سے خامہ فرسائی کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''بالجملہ اصل ذکر ولادت مسنون ہے اوراس پر تمام کتب سیر واحادیث کا ذکر ولادت سے پر ہونا خود شاہد ہے، البتہ یہ کیفیت مروجہ منقول نہیں مگر عدم نقل ہر گز نقل عدم نہیں اسے اس کی دلیل بنانا سراسر جہالت ہے، اگر یہ تسلیم بھی کر لے کہ عدم نقل نقل عدم ہے، جب بھی اس امر کی ممانعت اس کے ثابت نہ ہوگی کہ کسی شئی کا نہ کرنا

اور ہے اوراس سے منع کرنا اور۔ اور زینت و آرائش کے اہتمام سے مقصود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم، اور اظہار فرحت مطلقاً بلا تخصیص وقت و ہیئت مامور ہے اور شرعاً محبوب ہے تو یہ کیفیات مذکورہ اس مامور بہ مطلق کا فرد ہوکر لا جرم محبوب و مرغوب ہوئیں، انہیں بدعت سیئہ بتانا اللہ انصاف تعظیم مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء سے روکنا نہیں تو اور کیا ہے۔'' (فتاویٰ تاج الشریعہ، جلد ۲، ص ۵۹)

بدمذہبوں سے میل جول: آج کل بدمذہبوں اور مرتدین سے مذہبی معاملات میں بلا دغدغہ اتحاد کرلیا جاتا ہے، اور اسے صلح حدیبیہ کی نظیر بتانے سے بھی گریز نہیں کرتے اور اس کے جواز کے لیے ایک دو سبب نہیں بلکہ علل شتیٰ کے طور پر حاجت، ضرورت، مصلحت شرعیہ کے تحقق کا برملا اظہار کردیتے ہیں، حالاں کہ صلح حدیبیہ ضرورت شرعیہ اور مصلحت شرعیہ کی بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی، وہ دراصل فتح مکہ کی تمہید تھی، اور لوگوں کے کانوں نے فتح و نصرت کے شادیانے بجتے بھی سنے۔ حضور سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم بعطائے الٰہی غیوب پر مطلع تھے، اس لیے حضور کے بعد اب اس قسم کی صلح کسی کے لیے جائز نہیں کہ انہیں انجام پر اطلاع نہیں ہے۔ علاوہ ازیں آج کے اتحاد کو صلح حدیبیہ کی نظیر بتانا درست نہیں کہ وہ صلح تھی، نہ کہ اتحاد، اتحاد و صلح دونوں ایک چیز نہیں ہوسکتی، کیا کوئی یہ کہنے کی جسارت کرسکتا ہے کہ صلح حدیبیہ کفار سے اتحاد کا نام تھا۔ ہرگز نہیں تو مصالحت کی آڑ میں اتحاد کا کھیل کھیلنا شرعاً نہ روا اور مذہب و ملت کا شیرازہ منتشر کرنے کے مترادف ہے۔ حضور تاج الشریعہ فیصلہ کن انداز میں فرماتے ہیں:

''صلح حدیبیہ مصلحت شرعیہ اور ضرورت شرعیہ کی بنا پر سرکار ابد قرار علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمائی جن کے عظیم فوائد مرتب ہوئے اور اسلام کو فروغ اور کفر کو عظیم نقصان اس سے ہوا، اور صلح حدیبیہ کے بعض شرائط ایسے تھے جن میں بظاہر کفار کا فائدہ اور ان کی برتری تھی اور مسلمانوں کی لیے ظاہری طور پر ذلت تھی اس لیے اکثر صحابۂ کرام کی رائے نہ تھی کہ ایسی صلح کفار سے ہو مگر ان سب نے بمقتضائے ایمان سرکار ابد قرار علیہ الصلاۃ والسلام کے حکم احکم اور آں حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی مرضی پر اپنے سروں کو خم کر دیا، اس طرز کی مصالحت بعد زمانۂ نبوت کسی کو جائز نہیں، یہ سرکار ابد قرار علیہ الصلاۃ والسلام کی خصوصیت تھی اس لیے سرکار ابد قرار علیہ الصلاۃ والسلام بعطائے الٰہی غیب پر مطلع تھے اور آپ کو اختیار شرعی بھی رب قدیر عزوجل سے ملا لہٰذا

آپ کو اختیار ہے کہ جب چاہیں ظاہر پر حکم فرمائیں اور جب چاہیں باطن کے موافق حکم کریں، دوسرا کوئی ان کا سہیم و شریک اس خصوصیت میں نہیں ہو سکتا۔''

(فتاویٰ تاج الشریعہ، جلد ۲، ص ۱۰۹، ۱۱۰)

اور جہاں تک تحقق حاجت و ضرورت، یا مصلحت شرعیہ کے تقاضہ کی بات ہے تو اکثر معاملہ بر عکس ہی نکلتا ہے، بات تو کی جاتی ہے مصلحت کی، مگر قدم قدم پر ضرر و مفاسد سے سابقہ پڑتا ہے۔ خود حضرت تاج الشریعہ اپنا تجربہ یوں بیان کرتے ہیں:

''مذہبی معاملات میں کفار سے استعانت حرام اور ان سے موالات حرام اشد حرام بدکام کفر انجام مگر بارہا کا تجربہ ہے کہ نام ضرورت شرعیہ کا لیا جاتا ہے اور ضرورت نام کی بھی نہیں ہوتی اور مصلحت بتائی جاتی ہے مگر قوم و ملت کو ضرر و مفاسد سے دو چار ہونا پڑتا ہے اور سائل نے خود ہی لکھا، جس سے ہمارا مذہبی معاملات مستثنیٰ ہوں، اس سے صاف ظاہر ہے کہ سائل کے نزدیک بھی مذہبی معاملات میں مرتدین سے مصالحت حرام ہے۔ اب سائل فاضل کے کلمات سے خود ظاہر کہ شرعی معاملات کے لیے جو سمّیلن ہو اور ملی جلی تنظیمیں بنیں وہ سب حرام بدکام بدانجام ہیں پھر مصالحت کا تو نام لیا جاتا ہے اور مرتدین سے اتحاد کا نعرہ لگایا جاتا ہے کیا مصالحت اور اتحاد کا مفہوم ان لوگوں کے نزدیک ایک ہے؟'' (فتاویٰ تاج الشریعہ، ج ۲، ص ۱۱۰)

الحاصل! حضرت تاج الشریعہ علیہ الرحمہ کا تفقہ فی الدین درج بالا فقہی اقتباس سے ظاہر و واضح ہے، پوری کتاب اس طرح کے تحقیقی فتاویٰ سے بھری پڑی ہے جو حضرت موصوف کے عظیم فقیہ ہونے کی روشن دلیل ہے۔ میں نے بطورِ نمونہ چند مثالیں پیش کر دی ہیں جن کو تفصیل درکار ہے، وہ حضرت کے مجموعہ فتاویٰ ''فتاویٰ تاج الشریعہ'' کے ساتھ ان تحقیقی فقہی رسائل کا بھی مطالعہ کرے جو وقتاً فوقتاً حضرت نے تحریر فرمائے ہیں۔

☆☆☆

(بشکریہ: المختار کلیان کا تاج الشریعہ نمبر، مطبوعہ الجامعۃ الرضویہ کلیان ۲۰۱۸ء)

تخصصاتِ تاج الشریعہ

شخصیت، سیرت، علمیت، عبقریت، خدمات، آثارات کا ایک تحلیلی جائزہ

ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی پورنوی، ممبئی

یہ مقالہ حضور تاج الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں اُس وقت لکھا گیا؛ جب آپ حیاتِ ظاہری میں تھے، جمالِ جہاں آرا کا دیدار نگاہوں کو نور عطا کر رہا تھا، اب فیض کی جلوہ باریاں ہیں، مزارِ اقدس مرجع خلائق ہے، یادوں کے نقوش دلوں پر کندہ ہیں، آج ''یادگارِ رضا'' پریس بھیجنے کی تیاری تھی، نگہِ اخیر ڈالی معاً یہ مقالہ نظر آیا، پڑھا تو پڑھتا چلا گیا، ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی کا منفرد اسلوبِ نگارش ہے؛ تاج الشریعہ کے دیدار کی یادیں تازہ ہو گئیں۔ گرچہ یہ مقالہ ۲۰۱۳ء میں لکھا گیا؛ لیکن یادوں کی خوشبو چمن میں آج بھی بسی ہوئی ہے اور فضا مشک بار ہے۔ مدیر

ہندوستان میں یوپی، یوپی میں روہیل کھنڈ، اور روہیل کھنڈ میں شہر بریلی کی اپنی ایک نمایاں تاریخ ہے، امتیازی شناخت ہے۔ تہذیبی وتمدنی ورثہ بھی قابلِ رشک ہے۔ خانوادۂ رضویہ کی علمی و ادبی، فنی و فکری، مذہبی وتہذیبی، سیاسی وصحافتی، اور سماجی وفلاحی اور دعوتی واصلاحی خدمات، جو شجر سایہ دار کی طرح دراز ہیں۔ ان متنوع خدماتِ جلیلہ نے شہر بریلی کو عالمی سطح پر جلی سرخیوں میں لا دیا ہے، اور مہر و ماہ سے زیادہ قابلِ رشک بنا دیا ہے۔ جی ہاں! یہ نظامِ قدرت ہے، جسے چاہے، عرش آشیاں کر دے اور جسے چاہے، تہہ خاک یا خاک سیاہ کر دے۔

مناصبِ جلیلہ، ولایت، عارفیت کے مرتبے، شجاعت و شہامت، دولت و ثروت، حکومت و اقتدار، یہ سب انعاماتِ الٰہیہ ہیں، احسانات ربانیہ ہیں، جو فرد یا قوم ان نعمتوں سے سرفراز ہوتی ہے، اس کی مسولیت اور ذمہ داریاں بھی دو چند ہو جاتی ہیں اور اس پر ان نعمتوں کی قدر ومنزلت بھی لازم ہو جاتی ہے، منشاے الٰہی کے مطابق اگر ان نعمتوں کی قدر ہوتی رہی اور ذمہ داریاں نبھائی گئیں تو یہ سلسلہ خیر و برکت دیر تک اور دور تک دراز رہتا ہے اور اگر نا قدری کی گئی، تو یہ نعمتیں خود بخود اپنی بساط سمیٹ لیتی ہے اور دوسرا فرد یا دوسری قوم پر جلوہ فگن ہو جاتی ہیں۔

خانوادۂ رضویہ کا پس منظر دیکھیے، پیش منظر بھی پیش نظر رکھیے اور پھر بہ نگاہِ انصاف دیکھیے، تو یہ کہے بغیر چارہ نہیں کہ ربِ قدیر کا یہ احسانِ عظیم ہے کہ خانوادۂ رضویہ نسل در نسل اور پشت در پشت دینی و

دُنیاوی نعمتوں سے سرفراز ہوتا رہا ہے، جب تک اس خانوادہ کی حکومت و اقتدار میں حصہ داری رہی، تب بھی وہ دین دار رہا اور جب دین داری کی تاج داری اسے سپرد ہوئی، تب تو پھر دین داری اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ عروج پر رہی اور اب تک ہے، خدا کرے صبح قیامت تک رہے۔

تاج الشریعہ حضرت مفتی محمد اختر رضا قادری دامت برکاتہم العالیہ۔ بظاہر پانچویں، بباطن ساتویں پشت میں ہیں، علم و فضل کی تاج وری اور دین و مذہب کی خدمت گزاری شاہ محمد اعظم خان سے جو شروع ہوئی، تو تاج الشریعہ ساتویں پشت میں ہوئے اور اگر شاہ رضا علی خاں سے مانا جائے تو یہ عظیم دینی سعادت پانچویں نسل تک جاری و ساری ہے۔ یہ خاص فضلِ الٰہی اور عنایتِ ربانی ہے، یہ سلسلۃ الذہب یوں ہے: مفتی اختر رضا بن شاہ ابراہیم رضا بن شاہ حامد رضا بن امام احمد رضا بن شاہ نقی علی خاں بن شاہ رضا علی خاں بن شاہ حافظ کاظم علی خاں بن شاہ محمد اعظم خاں علیہم الرحمۃ والرضوان۔

حضرت تاج الشریعہ کی سیرت، علوم و خدمتِ علوم، اہم کارناموں اور ان کے اثرات کا اگر تحلیلی جائزہ لیا جائے، تو درج ذیل خصوصیات، امتیازات جلی طور پر سامنے آتے ہیں:

پشتینی کشور کشائی، آبائی علم و فضل، موروثی دیانت و امانت، شخصی شان و شکوہ، ذاتی فضائل و خصائص، علمی جلالت و عبقریت، عملی جمال و کمال، حرارت کردار کی تاب و تپش اور عالم گیر شہرت و مقبولیت، حیاتِ تاج الشریعہ کے تابندہ عنوانات ہیں۔ جن کا مشاہدہ کوئی بھی سر کی کھلی آنکھوں سے کر سکتا ہے۔

تاج الشریعہ کی ولادت ۱۹۴۳ء میں ہوئی۔ آج ۲۰۱۳ء ہے۔ تو عمر عزیز ۷۰ ربرس ہوئی۔ ایام طفلی گزرنے کے بعد تعلیم کا آغاز ہوا، تاج دار اہلِ سنت مفتی اعظم ہند نے بسم اللہ خوانی کرائی۔ از ہر ہند جامعہ منظر اسلام سے تعلیم پائی۔ اعلیٰ تعلیم جامعۃ الازہر مصر سے حاصل کی، ۱۹۶۶ء میں تکمیل ہوئی۔ نہایت امتیازی سند اور انعام سے نوازے گئے اور وطن واپسی ہوئی، تو عمر کی تئیسویں (۲۳) بہار تھی کہ عملی زندگی کی شروعات فرمائی، یوں ان کی خدمات کا دائرہ کم و بیش پچاس برسوں پر محیط ہے۔ درس و تدریس، فتاویٰ نویسی، تصنیف و تحقیق، ادب و شاعری، اصلاح و تذکیر، رشد و ہدایت، وعظ و خطاب، نقوش و تعویذات، غرض خدمت علم، اشاعت دین اور خدمتِ خلق کا کوئی ایسا شعبہ نہیں جو خالی ہو۔

پشتینی کشور کشائی، جد سابع یا جد خامس سے اوپر کے اجداد نہایت دین دار اور دین پسند رہے، جو حکومت و اقتدار کے حصہ دار و شراکت دار رہے، وہ بھی مکمل صداقت و امانت کے ساتھ، شجاعت و شہامت کے ساتھ، قندھار سے لاہور، لاہور سے دہلی اور دہلی سے بریلی تک ایک تاریخی ریکارڈ ہے۔ جد خامس یا رابع کے بعد ''سرحد حکومت'' سے ہٹ کر ''سرحد شریعت'' کی جو اشاعت و پاسبانی شروع ہوئی؛ یہ ریکارڈ تو اور روشن و تابناک ہے۔ جس کی تابناکی کے سامنے آفتاب و مہتاب شرما گئے اور

ستارے سہم گئے۔

شخصی شان وشکوہ، اس کا گواہ تو مشرق ومغرب کا ہر وہ شخص ہے جس نے ان کو ایک نگاہ دیکھا ہو۔ چہرے کی چمک، مکھڑے کی دمک، قدِ رعنا کی بہار، وجودِ ناز کا رعب، سراپا کی مقناطیسیت، چشم وابرو کی کشش، فرقِ اقدس سے برستا نور، دہن مبارک سے جھڑتے پھول، خلوت میں ہوں یا جلوت میں، برکتوں ہی برکتوں کا ظہور، غرض ہر جہت اور زاویہ سے ایسا لگے جیسے ساون کی کالی گھٹا والی رات میں گھنے بادل چیر کر چودھویں کا چاند نکلا ہو، ہر نظر شاد، ہر نگاہ مسرور، ہر دل نثار، ہر دماغ مخمور اور ہر فرد زلفِ محبت کا اسیر، جی! ایسی شان وشکوہ کہ شاید و باید، ہر شخص گردن اُٹھا کر، ایڑیاں تول کر اور آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے پر وارفتہ ہو جائے۔

آبائی وموروثی علم وفضل، یہ وہ سعادت ہے، جو خال خال ہی بحال و برقرار رہتی ہے۔ کیوں کہ یہ سعادت جو خاص انعام الٰہی اور فضلِ رب ہے، قدر شناسی سے مشروط ہے، ساتویں یا پانچویں پشت تک اس سعادت کا پایا جانا مستثنیات سے ہے اور مغتنمات سے بھی، علم وعرفان کا وہ بحر مواج جو سدا سے جاری تھا، ابھی صدی ڈیڑھ صدی قبل اور موج واوج پر اُمنڈ آیا، تاج الشریعہ اسی بحر مواج کے تیراک بھی ہیں اور غواص بھی، امین وعلم بردار بھی ہیں اور وارث ونائب بھی، یہ ان کا آبائی وصف ہے اور موروثی کمال بھی، یہ ذاتی بھی ہے اور نسبتی بھی، اکتسابی بھی ہے اور وہبی بھی، ورنہ تاریخ گواہ ہے، حکومت واقتدار، علم وفن، فضل و کمال، سعادت وشرف، شجاعت وشہامت، شوکت وعظمت، عزت وشہرت، دولت وثروت، حسن وجمال ، مال ومنال، مقبولیت ومحبوبیت، ہمہ گیری وہمہ جہتی، ہمہ دانی وہفت خوانی، تا دیر قائم نہیں رہتی۔

پھول جس ڈال پر کھلتا ہے، اس ڈال اور پھول کی تمکنت وطمطراق اور نزہت ونکہت، میں اس کی جڑ اور زمین کا اثر ضرور ہوتا ہے۔ یہی حال انسانی نسل ونسب کا بھی ہوتا ہے، گلاب اور گندم، شاہین اور گدھ یکساں نہیں ہوسکتا۔ شخصیت کی تعمیر اور سیرت کی تشکیل میں نسلی تاثیر، نسبتی تکریم، جدّیت وابوّت کی طہارت وشرافت اور گھریلو ماحول کا ضرور عمل دخل ہوتا ہے، قرآن، حدیث، تفسیر، فقہ کی عبارتیں شاہد ہیں، شواہد پیش کرنا، قاری کا ذہن بوجھل کرنا ہوگا، میں ایسا نہیں کروں گا۔ اہلِ علم پر سب روشن ہے، اس لیے بھی کہ یہ تحریر تحلیلی وتجزیاتی اور تاثراتی ہے، علمی اور تحقیقی نہیں، یہ سنتِ ربانیہ رہی ہے کہ ہر دور میں کوئی نہ کوئی شخصیت سرِ مرجع، مرکزِ نگاہ اور مشارٌ الیہ ہوتی ہے۔ غور وفکر کی ضرورت نہیں، بلا ادنیٰ تامل اربابِ خرد کا ماننا ہے۔ اس چوکھٹے میں آج اگر کوئی شخصیت فٹ ہوتی ہے، تو ''حضور تاج الشریعہ'' ہی کی شخصیت ہے، علم وفضل میں لاجواب، فکر وفن میں لاجواب، کردار وعمل میں لاجواب، عزت و شہرت، علمیت وعبقریت، مقبولیت ومرکزیت، خدمات وکارنامے اور اثرات ونتائج، سب میں لاجواب۔

عملی زندگی کا آغاز تدریس سے کیا، گو یہ سلسلہ زیادہ عرصہ تک دراز نہیں رہا، مگر جتنا وقت دیا وہ رائیگاں نہیں گیا، ابرنسیاں ثابت ہوا، تلامذہ تعداد میں کم سہی مگر معیار میں ہزاروں پر بھاری ہیں۔ خرد مند کمیت نہیں، کیفیت دیکھتے ہیں۔ یوں بھی کل وقتی تدریسی عمل ان کے لیے ممکن نہیں تھا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ اور مفتی اعظم ہند قدس سرہٗ جمیع اوقات پڑھاتے نہیں تھے۔ مگر مسندِ علم اور مجلسِ صحبت فیض میں بیٹھنے والے آفاق پر چھا گئے، تاج الشریعہ ان کے وارث ہیں، ان کا بھی یہ نہج ہے۔ حضر ہو یا سفر، ہر نشست درس گاہ ہوتی ہے، ہر مجلس تربیت گاہ ہوتی ہے، جو بول دیا ہو گیا، نظر اُٹھائی؛ اَثر کر گئی، یہ فیض رسانی تب سے اب تک جاری ہے اور تا حیات جاری رہے گی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

منصبِ افتا ان ہی کو زیب دیتا ہے، وہ اس منصب کی زینت بھی ہیں۔ اور سند بھی، ان کا فتویٰ نقل واخذ کا پٹارہ، پشتارہ نہیں معتمد و مستند ہوتا ہے، اور منصوص و مدلل بھی، یہ فتویٰ جسم بے جاں نہیں ہوتا تحقیق و تدقیق کی روح کارفرما ہوتی ہے، ترتیب مقدمات، دلائل کی پیش کش، متعارض صورتوں میں تطبیق اور اخذ نتائج میں درمختاری، ردالمحتاری اور جدالممتاری بصیرت و مہارت کی جھلک موجود ہوتی ہے، اور یہ ایک ایسا وصف ہے۔ جو انہیں میراث میں ملا ہے، سلف کی شان خلف میں تو ہونی چاہیے۔ سیکڑوں دارالافتاء اور درجنوں دارالقضاء خود ان کی نگرانی میں چلتے ہیں، مرکزی دارالافتاء والقضاء بریلی ہی میں ہونا چاہیے اور ہے بھی، تمام مفتیوں کے صدر مفتی اور قاضیوں کے وہ قاضی القضاۃ ہیں، عرفاً وشرعاً وہ اس منصب کے سزاوار بھی ہیں۔

تصنیف و تحقیق، یہ شعبہ بکمالِ رعنائی ان کی دسترس میں ہے، عربی، فارسی، اردو تو ان کی اپنی زبان ہے، انگریزی بھی ان کے دست نگر سے باہر نہیں، ان چاروں زبان کا جو مزاج، منہج، اسلوب، وطیرہ، شیوہ ہے، وہ اس پر کمالِ قدرت، کمالِ مہارت، اور کمالِ شعور رکھتے ہیں۔ نثر و نظم کے تمام اسالیب اور اصناف پر بولتے بھی ہیں اور تحریر بھی فرماتے ہیں، رشحاتِ قلم، جو چالیس کے قریب ہیں، اس تعداد میں تصنیف و تالیف بھی ہے، تحقیق و تنقید بھی، شروحات و حواشی بھی ہیں اور تعریبات و تراجم بھی، سیرت و فضائل بھی ہیں، اور تاریخ و ثقافت بھی، ادب و نقد ادب بھی ہے اور شاعری و شرح شاعری بھی، ہر تحریر کا جلوہ اور جوبن قابلِ دید ہے، زیادہ نہیں، صرف "الصحابة نجوم الاهتدأ" اُٹھا کر دیکھیے۔

بچپن سے سنتا آ رہا تھا کہ اہلِ سُنّت و جماعت جو برصغیر کے تناظر میں 'مسلک اعلیٰ حضرت' سے معنون و متعارف ہے۔ دُنیائے عرب میں بد باطنوں اور کور چشموں نے متہم کر دیا ہے اور نیا فرقہ باور کرایا ہے۔ نہ کائی دیر تک جمتی ہے، نہ کہرا دیر تک ٹھہرتا ہے، جب پانی برستا یا بہتا ہے، تو کائی ہٹ جاتی ہے اور جب سورج نکلتا ہے، تو کہرا چھٹ جاتا ہے، حضرت تاج الشریعہ جب ان ممالک میں جانے لگے، تو

ان کی ذات، زبان، وفورِعلم، وقارِہستی ،قوتِ اظہار، دلائل کا انبار؛ حقائق کا انکشاف، روحانی رعب اور جلالتِ وجودِ مسعود، بس وہی شفاف پانی اور نصف النہار کا سورج ثابت ہوا؛ پھر تو یارانِ حسد پیشہ کی وہ کائی اور کہرا از خود ہٹنے لگی اور چھٹنے لگا، آج مطلع اور میداں دونوں صاف ہے، وہ تاج الشریعہ، جن کو کبھی نجدی قوتوں نے گرفتارِ زندان کیا تھا، آج وہی تاج الشریعہ سرزمین عرب میں، ممتاز و مؤقر تسلیم کیے جاتے ہیں۔کبھی تو دخولِ حرم پر پابندی تھی، آج دخولِ حرم کیا، اندرونِ کعبہ جانے اور عبادت کرنے کا موقع مل رہا ہے۔ یہ کیسا انعام الٰہی اور احسانِ ربانی ہے۔ تاج الشریعہ کے تبلیغی دَورں نے، مجالس و تقاریر نے، عربی تصانیف و تراجم، دروس و دراسات نے، نہ صرف یہ کہ عربوں کا ذہن صاف کر دیا۔ بلکہ اپنا گرویدہ بنا لیا ہے۔ اس کو کہتے ہیں سچائی، وہ جو سر چڑھ کر بولے، حقیقت و صداقت چھپتی نہیں، چھپتی ہے، دبتی نہیں اُبھرتی ہے۔ تاج الشریعہ کی دور بیں نگاہوں اور دور رَس دَوروں نے اس صداقت و حقیقت کو اُبھار دیا، اُچھال دیا اور چھاپ دیا ہے۔ یقیناً یہ ان کا اہم ترین کارنامہ ہے، تمام خصوصیات و امتیازات میں سب سے بڑا اختصاص و امتیاز ہے۔ جامعۃ الازہر مصر، جہاں انہوں نے تعلیم پائی، جس ادارہ میں تعلیم حاصل کرنے والے اور علمی نسبت رکھنے والے ہزاروں ہزار ہیں؛ لیکن جن رجال و شخصیات پر جامعۃ الازہر کو ناز ہے اور افتخار بھی، وہ نہایت اقل قلیل ہے، ان قابلِ فخر و ناز شخصیتوں میں تاج الشریعہ کی شخصیت بڑی نمایاں واہم ہے، دورانِ تعلیم تو سندِ امتیازی وانعامِ خصوصی حاصل کیا ہی تھا، جامعۃ الازہر نے اب جوایوارڈ اور فخر ازہر کا خطاب دیا ہے؛ یہ نہ صرف جامعۃ الازہر کا سر بلکہ ہندوستان کا وقار بھی بلند کر دیا ہے۔ پورے عالم اسلام کی شان بڑھا دی ہے، ناک اونچی کر دی ہے، یہ رُتبہ اور اعجاز یوں ہی نہیں ملتا، مطلوبہ اوصاف و کمالات کا جامع ہونا بھی ضروری ہے، تاج الشریعہ ان تمام اوصافِ عالیہ کے جامع بھی ہیں اور کمالاتِ غائیہ کے مجموعہ بھی۔

اردو ان کی مادری زبان ہے؛ اور اردو ادب کی گود میں نہ صرف انہوں نے کھیلا ہے، بلکہ اس کے دامن کو مشک بار بھی کیا ہے؛ یہ گھر کی زباں تھی؛ عربی و انگریزی زبان کے اسالیب و آداب، لغات و محاورات، مفردات و مرکبات، نثری و شعری سرمایہ ان کے تہہ خانۂ ذہن میں محفوظ ہے۔ یاد رہے، بول چال کی زبان الگ ہوتی ہے۔ ادب، تحقیق، تنقید کی زبان جدا ہوتی ہے۔ تاج الشریعہ کی زبان بول چال کی نہیں، علمی و ادبی تحقیقی و تنقیدی ہوتی ہے۔ اظہارِ خیال ہو، مافی الضمیر کی ادائیگی ہو، علمی بحث ہو، تحقیقی پہلو ہو، تنقیدی عمل ہو، عقائد اسلام کی مجلس ہو، اور مناظرہ کی محفل ہو، اصولیات و مسلمات کی تقریب یا شعرو شاعری کی بزم، موقع و محل کے لحاظ سے آداب بحث کے دائرے میں ذریعۂ اظہار و ترسیل عربی ہو، تو عربی، انگریزی ہو تو انگریزی، وہی اسلوب و لہجہ اپناتے ہیں جو وہاں مطلوب ہوتا ہے، حجاز و یمن،

دمشق و شام، عراق و بغداد، بصرہ، قدس و فلسطین، مصر و قاہرہ، جزائر و جارڈن و دیگر عرب، مما لکِ عرب امارات، بلادِ عربیہ و اسلامیہ کے تمام معتمد علمائے محققین اور مستند مشائخ کرام نے انہیں مانا اور تسلیم کیا ہے۔ یہی نہیں، ہدایت و ارشاد، تصوف و عرفان، کی اونچی منزل پر فائز پا کر دست گرفتہ دامن سے وابستہ ہوتے ہیں۔ علوم و فنون کی سندیں بھی لی ہیں، تصوف و طریقت، ہدایت و ارشاد اور سلاسلِ روحانیت کی خلافت بھی لی ہیں، یہ علما و مشائخ اپنے یہاں ان کے لیے نہایت اہتمام، احترام و استقبال کرتے ہیں۔ جان و جگر اور دل و نگاہ بھی فرشِ راہ کرتے ہیں۔ بات یہیں ختم نہیں ہوتی، عالمِ اسلام کی علمی، روحانی مقتدر شخصیات ہندوستان میں بریلی شریف تشریف فرما ہوا کرتی ہیں۔ یہ سارا کریڈٹ آج تاج الشریعہ کو جاتا ہے، کبھی یہ کریڈٹ قطب الارشاد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کو جاتا تھا۔ وہ یاد آج تازہ ہوگئی ہے۔

سند بیعت و ارشاد کو بھی ناز ہے، فیضانِ غوث پاک کے قلم دان کو بھی فخر ہے، طوفاں کی جس رفتار سے قادری سلسلہ کی اشاعت ہو رہی ہے، وہ بجائے خود باعث بہجت و سرور ہے۔ پوری دُنیائے اسلام میں تین کروڑ سے زائد جاں نثار مریدوں۔ سیکڑوں عجمی خلفا اور پچاسوں عرب خلفا کی تعداد تاج الشریعہ کی مقبولیت و محبوبیت، علمی افادیت، کتابی اہمیت، مجلسی برکت اور روحانی تاثر کا کھلا ثبوت ہے اور ابھی یہ سلسلۂ خیر و برکت سیلِ رواں کی طرح جاری و ساری ہے۔ خدا کرے یہ منبع نور و نکہت تا دیر جاری و ساری رہے۔

’آمال الابرار‘ میں اعلیٰ حضرت نے تاج الفحول کی شان میں کئی اشعار کہے تھے؛ ایک شعر کا مفہوم یہ تھا کہ تاج الفحول جس آبادی میں جاتے ہیں۔ اس کی رونق بڑھ جاتی ہے اور جب نکل جاتے ہیں۔ تو ویرانی چھا جاتی ہے؛ ملک العلماء علامہ ظفر الدین قادری قدس سرہٗ نے یہ قصیدہ اعلیٰ حضرت سے پڑھا تھا، جب اس شعر اور مفہوم پر پہنچا، ملک العلماء کو تعجب ہوا، تو پوچھا، اعلیٰ حضرت نے جواب دیا۔ ہاں یہ بالکل سچ ہے۔ دورِ حاضر میں یہ شعر اور اس مفہوم کو مستعار لے کر اگر تاج الشریعہ پر فٹ کیا جائے۔ تو ہر صاحبِ دل اور اہلِ انصاف ضرور کہیں گے۔ ہاں ہاں! آج بالکل یہ صحیح مصداق ہیں؛ کیوں کہ عالم یہ ہے ہندوستان ہو یا بیرونِ ہند، حتیٰ کہ خود ان کے اپنے شہر بریلی میں جب کہ بطورِ عام اپنے مقام و محل میں انسان محبوب و ہر دل عزیز نہیں ہوتا، تاج الشریعہ کو جس نے دیکھا، شاد ہوا، لذتِ دیدار سے مسرت پائی، جس نے نہیں دیکھا، واحسرتا کہا، کفِ افسوس ملا۔ یہ کیسی خداداد جاذبیت، کشش و مقناطیسیت ہے۔ جس نے دیکھا دل دے بیٹھا، یہ کیسی ایمانی قوت، روحانی شوکت اور شخصی جلالت ہے۔ خوش عقیدہ نہال ہو کر تازہ ہو جاتا ہے۔ بدعقیدہ نڈھال ہو کر تائب ہو جاتا ہے، اور غیر مسلم دولتِ ایمان سے مشرف ہوتا ہے۔ کیا ایک ذات ہے، نہیں نہیں، ایک مکمل تحریکِ اسلام ہے۔ انجمن ہدایت و اصلاح ہے۔ مسندِ ہدایت و ارشاد تو ہے ہی، جس کی حرکی دعوت و تبلیغ کا اسپریچول پاور ہاؤس بھی ہے۔ خدا کرے یہ پاور ہاؤس سلامت رہے۔

صبح کی سادگی میں سیر چمن کیجیے، روشِ چمن کا نظارہ کیجیے، دیکھیے کھلا ہوا گلاب بارِحسن سے پھٹا پڑتا ہوگا، شبنمی قطروں یا پھوہار سے ذرا لڑھکا ہوا یا ڈھلکا ہوا ہوگا۔ حضرت تاج الشریعہ وہی گلاب معلوم ہوتے ہیں۔ جب ممبر ومحراب پر تشریف لاتے ہیں۔ یا سرِ اجلاس جلوہ فگن ہوتے ہیں، تو وفورِ علم، وقارِ ذات، بارِ حسن سے نظر جھکی جھکی سی ہوتی ہے۔ قامت وجسامت منحنی ومرنجا مرنج معلوم پڑتی ہے۔ آیات واحادیث میں مردِ متواضع کی یہ ہی صفت بیان کی گئی ہے۔ ادا سادہ ہوتی ہے۔ مگر قیامت ڈھاتی ہے۔ اب نہ نظر عارضِ اقدس پہ ٹھہرتی ہے، نہ دل قابو میں رہتا ہے۔ اس وقت جاں نثاری اور فداکاری کا منظر دیدنی ہوتا ہے، نگاہ مصروفِ زیارت تو رہتی ہیں مگر دل نہیں بھرتا، تب پھر زبانوں سے صدائے اسم ذات بلند ہونے لگتی ہے، اللہ اکبر اللہ اکبر، تاج الشریعہ کے دادا حجۃ الاسلام علم وعرفاں اور وقارِ حسن میں اپنی مثال آپ تھے، ان کے نانا مفتی اعظم ہند علمیت وفقاہت اور روحانیت ومقبولیت میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ ان دونوں کا پوتا اور نواسہ تاج الشریعہ آج ان کی فٹ فاٹ فوٹو کاپی وعکس جمیل و پرتو حسن ہیں۔ تاج الشریعہ درجنوں اداروں کے بانی اور سیکڑوں مدارس کے سرپرست ہیں۔ سب سے بڑھ کر بڑا ادارہ ان کا ''مرکز الدراسات الاسلامیہ جامعۃ الرضا'' ہے۔ جو وسیع رقبۂ زمین، خوب صورت تعمیر اور نظم تعلیم میں اپنا جواب آپ ہے۔ شعبۂ حفظ وقراءت، شعبۂ نظامیہ، شعبۂ تخصص، شعبۂ عربی ادب وانگریزی ادب اور کمپیوٹر کے کئی شعبہ جات ہیں۔ شہزادۂ تاج الشریعہ مولانا عسجد رضا خاں زیدہ مجدہ جو جامعۃ الرضا کی تعمیر وترقی میں شب وروز مشغول ہیں، وہ ارادہ رکھتے ہیں کہ اس رضا تعلیمی کیمپس میں عصری تعلیم کی بھی بنیاد ڈالیں اور یہ عصر حاضر کا تقاضہ بھی ہے۔ تاج الشریعہ نے ہند، بیرونِ ہند سیکڑوں مسجدوں کی بنا بھی ڈالی ہیں۔ جامعۃ الرضا کے رحاب میں بننے والی ''مسجد حامدی'' ملک کی مشہور، خوب صورت مسجدوں میں سے ایک ہوگی۔ دار العلوم، دار القضاء، دار التصنیف، دار الترجمہ، دار الارشاد، دار الضیافہ، دار الصحافہ، دار الاہتمام، مجمع البحوث الشرعیۃ الفقہیۃ، شرعی کونسل سبھی کچھ تو ہے۔ ماہ نامہ سُنّی دُنیا بھی ہے۔ تنظیمی سطح پر ''جماعت رضائے مصطفیٰ'' بھی ہے۔ خدا کرے تاج الشریعہ کی صحت باعافیت رہے اور یہ سارے ادارے اور شعبے مکمل نظم وضبط اور اُصول واوقات کی پابندی کے ساتھ ساون بھادو کی طرح اپنا فیض وفلاح برساتے رہیں۔

سچی بات یہ ہے۔ شخصیت، سیرت، علوم، تصانیف، اعمال وکردار، شرافتِ نفس، طہارتِ طبع، امتیازات وخصوصیات، خدمات واثرات، ہر زاویہ، ہر زائچہ سے اپنے نظیر آپ، اپنے آپ ممتاز اور اپنے آپ منفرد ہیں۔ وارثِ علومِ امام احمد رضا، جانشین مفتی اعظم ہند، قاضی القضاۃ فی الہند، شیخ العرب والعجم، سند المحدثین، زین الفقہاء مسند المشائخ والمرشدین، تاج الشریعہ وبدر الطریقہ حضرت علامہ شاہ محمد اختر رضا خاں قادری مدظلہ العالی ونفعنا اللہ بطول حیاتہ آمین ثم آمین۔ بجاہ النبی الکریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ ☆☆☆

دیوانِ رضا میں ہندی اور سنسکرت الفاظ کا استعمال اور ان کی معنویت

ڈاکٹر محمد احمد نعیمی

اسسٹنٹ پروفیسر ڈپارٹمنٹ آف اسلامک اسٹڈیز،
جامعہ ہمدرد، نئی دہلی

امام احمد رضا خاں قادری حنفی (پ ۱۸۵۶ء/ ۱۲۷۲ھ؛ م ۱۹۲۱ء/ ۱۳۴۰ھ) غیر منقسم ہندوستان کے ایک مشہور فقیہ، محدث، مفسر، مترجم قرآن اور نعت گو شاعر تھے۔ آپ کو چودھویں صدی ہجری کا مجدد بھی کہا جاتا ہے، پچاس سے زائد علوم وفنون میں آپ کو مہارت حاصل تھی، جن میں تفسیر، حدیث، فقہ، اصولِ فقہ، عقائد وکلام، تصوف، صرف ونحو، ادب و بلاغت، تاریخ وتہذیب، منطق وفلسفہ، علمِ نجوم وعلمِ رمل، علم ریاضی وزیجات اور شعر وادب جیسے علوم شامل ہیں۔ آپ کی حیات ہی میں غیر منقسم ہندوستان اور عرب ممالک کے علما وفقہا نے آپ کو ایک بے مثال فقیہ اور متبحر عالم تسلیم کیا ہے۔ دُنیا کی مختلف یونیورسٹیوں میں آپ کی علمی خدمات پر بہت سی پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگریاں ایوارڈ کی جا چکی ہیں؛ اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ مختلف موضوعات پر آپ کی سیکڑوں تصانیف پائی جاتی ہیں، جن میں تقریباً دوسو پچاس سے زائد کتب زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں۔ جن میں کئی ضخیم جلدوں پر مشتمل فتاویٰ رضویہ اور ترجمۂ قرآن کنزالایمان، الامن والعلیٰ، فوزِ مبین در ردِ حرکتِ زمین اور جدالممتار وغیرہ بطورِ خاص قابلِ ذکر ہیں۔

(قادری، بدرالدین، سوانح اعلیٰ حضرت، بستی، مدرسہ غوثیہ، ۱۹۸۴ء، ص ۳۸۷ تا ۳۹۶)

مذکورہ بالا علوم وفنون کے علاوہ شعر وسخن بالخصوص نعتیہ شاعری کے میدان میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے۔ آپ نے قرآن و حدیث، ذاتِ رسول، اوصافِ رسول، محاسنِ رسول، سیرتِ رسول، عظمتِ رسول، معجزاتِ رسول اور واقعاتِ رسول کو اس طرح صنفِ نعت کے قالب میں ڈھالا ہے کہ اردو نعتیہ شاعری میں جس کی مثال نہیں ملتی۔ جس کا زندہ ثبوت آپ کا نعتیہ دیوان ''حدائق بخشش'' ہے، جس میں آپ نے مدحِ رسول اور ثنائے رسول کے ایسے گراں قدر گوہرِ نایاب لٹائے ہیں اور نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا منظوم شعری جامہ پہنایا ہے کہ داغ دہلوی جیسے استاد شاعر پکار اٹھتے ہیں:

ملکِ سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلم
جس سمت آگئے ہو سکّے بٹھا دیے ہیں

(قادری، امانت رسول، تجلیات امام احمد رضا، کراچی، مکتبہ برکاتی پبلشرز، ص ۹۰)

پروفیسر ڈاکٹر دھرمیندر ناتھ آزاد کہتے ہیں:

''اردو کی نعتیہ شاعری کا ایک معتبر و مستند نام ہے مولانا احمد رضا خاں صاحب، جنھوں نے نعت کے فروغ وارتقا میں بہت اہم کام کیا ہے۔ ان کا دیوانِ نعت حدائقِ بخشش تین جلدوں میں ہے۔ تبحر علمی، زورِ بیاں، وابستگی اور عقیدت ان کی نعتوں میں یوں گھل مل اور رچ بس گئے ہیں کہ اردو نعت میں ایسا خوش گوارا امتزاج کہیں اور دیکھنے کو نہیں آتا۔''

(آزاد، دھرمیندر ناتھ، پروفیسر، ہمارے رسول، نئی دہلی، سفارت جمہوری ایران، ۲۰۱۱ء، ص ۱۳۸)

امام احمد رضا خاں کی نعتیہ شاعری میں اردو، عربی، فارسی، ہندی، سنسکرت اور علاقائی زبانو ں کا حسین امتزاج ملتا ہے۔ آپ اردو، عربی، فارسی کے علاوہ ہندی، علاقائی اور مقامی زبانوں اور بولیوں پر بھی عالمانہ دسترس رکھتے تھے۔ اپنے اس مقالہ میں ہمیں ''دیوانِ رضا میں ہندی اور سنسکرت الفاظ کا استعمال اور ان کی معنویت'' کے تعلق سے ایک تحقیقی جائزہ لینا ہے اور دلائل وامثال کی روشنی میں یہ حقیقت واضح کرنا ہے کہ امام احمد رضا خاں بہترین ماہرِ لسانیات بھی تھے۔ دیگر زبانوں کی طرح وہ ہندی اور سنسکرت زبان سے بھی بخوبی واقف تھے اور بنا کسی تکلف کے حسبِ ضرورت وہ ہندی اور سنسکرت کے الفاظ کا بھی استعمال فرماتے تھے۔

دیوانِ رضا میں ہندی اور سنسکرت کے الفاظ کا تحقیقی جائزہ لینے سے قبل ضروری ہے کہ پہلے ہندی زبان کے تخلیقی، تاریخی اور ارتقائی حقائق کا بھی مختصر تحقیقی مطالعہ کیا جائے تاکہ اس کی آفرینش، تربیت و پرورش اور استعمالی روش کے خدوخال بھی بخوبی آشکارا ہو جائیں۔

''ہندی'' لفظ کا آغاز وارتقا

ہندی حقیقت میں فارسی زبان کا لفظ ہے، جس کا معنیٰ ہے ''ہندی کا'' یا ''ہندی سے متعلق''۔ ہندی لفظ ہندو سے مشتق و ماخوذ ہے جو کہ ایک جدید لفظ ہے، اس معنیٰ کر کہ ہندوستان کے قدیم مذہبی ادب اور مذہبی تاریخ میں یہ لفظ نہیں پایا جاتا ہے۔ سوا شبد کلپ درم کے اور شبد کلپ درم کی بنیاد میرو تنتر ہے، جو قدیم ثابت نہیں ہوتا۔ ہاں فارسی لغات میں ہندو لفظ ضرور ملتا ہے اور اس سے نکلے ہوئے مختلف الفاظ بھی جیسے ہندوستان، ہندسا، ہندی اور ہندو۔ (سوامی، اننیا نند، ہندو دھرم کا سارو بھوم تنو کلکتہ، ادویت

آشرم، ۱۹۹۷ء، ص۱) نیز ہندو علما و محققین کہتے ہیں کہ جن جن سنسکرت، گرنتھوں اور مذہبی کتابوں میں ''ہندو'' لفظ آیا ہوا نھیں بھی جدید ہی سمجھنا چاہیے کیوں کہ اگر یہ لفظ قدیم سنسکرت رہتا تو ویدوں میں نہ سہی، کم از کم اسمرتیوں، پرانوں، مہابھارت اور قدیم لغات (شبد کوش) میں ضرور پایا جاتا اور تو اور ہماری قدیم لغت (کوش گرنتھ) امر کوش بھی اس ہندو لفظ سے پوری طرح ناواقف ہے۔ پنڈت جواہر لال نہرو لکھتے ہیں:

''ہمارے قدیم مذہبی ادب میں تو ہندو لفظ کہیں آتا ہی نہیں۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ اس لفظ کا حوالہ ہمیں جو کسی ہندوستانی کتاب میں ملتا ہے وہ آٹھویں صدی عیسوی کے ایک تانترک گرنتھ میں ہے، لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ لفظ بہت قدیم ہے اور اویستا میں اور قدیم فارسی میں آتا ہے۔''

(پنڈت جواہر لال نہرو، ہندوستان کی کہانی، نئی دہلی، ستا ساھتیہ منڈل، ۱۹۴۷ء ہندی، ص۷۸)

حقیقت یہ ہے کہ قدیم ہندوستانی لوگ اس لفظ سے نابلد تھے۔ سب سے پہلے اس کا استعمال قدیم ایرانیوں اور عربوں نے کیا اور وہ بھی صرف جغرافیائی یا ایک مخصوص قوم و آبادی کے ترجمان کی حیثیت سے۔ کیوں کہ بہ معنی ایک خاص مذہب تو گیارہویں صدی عیسوی یا اس کے بعد کی ایجاد ہے۔

(طبری، ابوجعفر محمد بن جریر، تاریخ طبری، کراچی، نفیس اکیڈمی، ۲۰۰۴ء، جلد ۳، ص ۱۶۵، طبقات ابن سعد، جلد ۱، ص ۳۳۹)

ہندی زبان کے مشہور قومی شاعر اور مفکر رام دھاری سنگھ دِنکر لکھتے ہیں:

''ہندو لفظ ہمارے قدیم ادب میں نہیں ملتا ہے۔ بھارت ورش میں اس کا سب سے پہلا ذکر آٹھویں صدی عیسوی میں لکھے گئے ایک تنتر گرنتھ میں ہے۔ جہاں اس لفظ کا استعمال مذہبی معنی یا مذہبی رسم کے طور پر نہیں کیا گیا ہے بلکہ ایک گروہ یا ذات کے معنی میں کیا گیا ہے۔'' (دنکر، رام دھاری سنگھ، سنسکرتی کے چار ادھیائے، ص۳۶)

مشہور ہندو محقق رجنی کانت شاستری اس تعلق سے یوں رقم طراز ہیں:

''اگر چہ لفظ ہندو پارسیوں کی ہزاروں سال پہلے لکھی مذہبی کتاب ''دساتیر'' میں ملتا ہے جس میں ہمارے ملک کو ہند اور ہمیں ہندو کہہ کر پکارا گیا ہے۔ چنانچہ دساتیر میں مرقوم ہے ''اکنوں برہمن ویاس نام از ہند آمد بس دانا کہ عقل چناں نیست''، یعنی

ویاس نامی ایک برہمن ہند سے آیا جس کے برابر کوئی دوسرا عقل مند نہیں۔‘‘

یقیناً یہ ویاس مہا بھارت اور اٹھارہ پرانوں کے قلم کار مہرشی کرشن دوے پاین وید ویاس ہی ہوں گے تبھی ان کی عقل مندی کو بے مثال کہا گیا ہے۔ اور اسی کتاب میں ’’ہندی‘‘ لفظ کا استعمال ہند والے کے معنی میں ہوا ہے۔ مثلاً:

چوں ویاس ہندی بلخ آمد　　　　گشتاشپ زبردشت راخواند

یعنی جب ہندوالا ویاس بلخ آیا تو ایران کے بادشاہ گشتاشپ نے زبردشت کو بلایا۔ یہ زبردشت یا زرتُشت پارسی دھرم کا بانی تھا۔ نیز آگے لکھا ہے:

من مردے ام ہندنزاد، وہند باز بازگشت۔

یعنی میں ہند میں پیدا شدہ ایک مرد ہوں اور پھر وہ ہند کو لوٹ گیا۔

(شاستری، رجنی کانت، ہندو جاتی کا اتھان اور پتن، نئی دہلی، کتاب محل، ۲۰۰۸ء، ص ۳، ۴)

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ’’ہندو‘‘ لفظ کی اصل یا ماخذ اور اس کا معنی ومفہوم کیا ہے؟ تو اس سلسلے میں ہندو دھرم اور ہندوستان کی تاریخ سے متعلق مختلف کتب میں بہت سے حوالہ جات واقوال موجود ہیں، لیکن قریب قریب سب کا ماحصل ایک ہی معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ کہ بھارت کا یہ نام غیر ملکیوں کا دیا ہوا ہے۔ سنسکرت اور ویدوں کے محقق ومفکر ڈاکٹر وید پرکاش اُپادھیائے، ویوگ ہری، سوامی اننیانند، ہندی کے مشہور قومی شاعر رام دھاری سنگھ دنکر اور ممتاز ہندو محقق رجنی کانت شاستری لکھتے ہیں کہ:

> ’’اہلِ علم کا خیال ہے کہ ہند لفظ جو کہ غیر ملکیوں بالخصوص پارس والوں کے ذریعے اس ملک کا نام رکھا گیا ہے ’’سندھو‘‘ لفظ سے جو پنجاب کی ندی کا نام ہے سے نکلا ہے، پھر اسی ہند لفظ سے ہندو اور ہندی ان دونوں لفظوں کا اشتقاق ہوا۔ ہند لفظ سے پارس والوں کا مطلب سندھو ندی کے پار والے (پارورتی) ملک سے ہے۔ ہندو لفظ سے ہند کے باشندوں سے اور ہندی لفظ سے ہند کے باشندوں کی زبان سے تعلق ومقصود تھا۔ پارس والے جہاں ہم سَ (سا) بولتے ہیں وہاں اکثر ہَ (ہا) کا استعمال کرتے ہیں۔ جیسے سپت – ہفت، اَسُر – اَہر، سرسوتی – ہرہوتی اور سپت سندھو – ہفت ہندو وغیرہ۔ اس سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ سندھو سے ہندو اور ہند سے ہندو اور ہندی یہ دو لفظ پیدا ہوئے۔ یونانی (Greeks) سندھو ہندی کو اِنڈس (Indus) سندھو کے پار والے ملک کو انڈیا (India) اور وہاں کے رہنے والوں کو انڈینس (Indians) کہتے

تھے۔ہم نے بھی ان ناموں کو ان کے تعلق اور میل ملاپ میں آ کر اپنا لیا تھا اور آج بھی ہم یوروپین (Europian) کے ساتھ بات چیت کرتے ہوئے اپنا تعارف انڈین (Indian) کہہ کر ہی کراتے ہیں۔ٹھیک اسی طرح ہم نے پارس والوں کے ہند، ہندو اور ہندی لفظوں کو ان کے ساتھ قدیم زمانے میں اپنی قربت کے سبب اپنا لیا تھا۔'' (ہندو جاتی کا اتھان اور پتن،ص ۱، ۲، ہندوستان کی کہانی، ہندی،ص ۷۸)

ہندی زبان کا آغاز وارتقا

آج ہم جس زبان سے بنام ہندی متعارف ہیں وہ جدید آریائی زبانوں میں سے ایک ہے۔آریائی زبان کا قدیم ترین روپ ویدک سنسکرت ہے، جو ادب کی عقیدت سے معمور زبان تھی۔اسی زبان میں وید، سنہتا، اپنشد اور ویدانت وغیرہ ہندو مذہبی کتب کی تخلیق ہوئی ہے۔مذہبی کتب کی زبان کے ساتھ ساتھ یہی عام بول چال کی زبان تھی جس کو دنیاوی سنسکرت بھی کہا جاتا ہے۔سنسکرت کا عروج و ارتقا شمالی ہندوستان میں بولی جانے والی ویدوں کے دور کی زبانوں سے مانا جاتا ہے۔تخمینی طور پر آٹھویں صدی قبل مسیح میں اس کا استعمال ادب میں ہونے لگا تھا۔سنسکرت زبان میں ہی رامائن اور مہابھارت جیسے مذہبی گرنتھ (کتاب) تالیف کیے گئے اور بالمیکی، ویاس، کالی داس، اشوگھوش، ماگھ، بھوبھوتی، وِشاکھ، ممّٹ، دنڈی اور شری ہرش وغیرہ سنسکرت زبان کی ہی عظیم ہستیاں ہیں۔اس طرح سنسکرت ادب دُنیا کے خوشحال ادب میں سے ایک ہے۔

سنسکرت کے دور کی بنیادی بول چال کی زبان تبدیل ہوتے ہوتے پانچ سو قبلِ مسیح کے بعد تک کافی متغیر ہوگئی، جس کو پالی کے نام سے یاد کیا گیا۔ بدھ کے زمانہ میں پالی عوامی زبان تھی اور انھوں نے پالی کے ذریعے ہی اپنی تعلیمات و ہدایات و نصائح کی تبلیغ و اشاعت کی۔غالباً یہ زبان پہلی صدی عیسوی تک رائج رہی۔بعد ازاں پالی زبان اور متغیر ہوئی اور پھر اس کو پراکرت (Parakirt) کا نام دیا گیا۔اور اس کا دور پہلی صدی عیسوی سے پانچ سو عیسوی تک رہا۔پالی کے تحت آنے والی یا پالی سے ملتی جلتی دوسری زبانوں کی صورت میں پراکرت زبانیں پچھمی (مغربی) پوربی (مشرقی) پچھّم اتری (مغربی شمالی) اور مدھیہ دیشی (وسط ملکی) زبانوں کی شکل میں مقبول ہوئیں، جن کو ماگدھی، شورسینی، مہاراشٹری، پیشاچی، براچڈ اور اردھ ماگدھی بھی کہا جاسکتا ہے۔بعدۂ زمانۂ آئندہ میں پراکرت زبانوں کی علاقائی صورتوں سے اپ بھرنش (مسخ شدہ یا بگڑی ہوئی) زبانیں معرض وجود میں آئیں۔ان کا عہد پانچ سو عیسوی سے ایک ہزار عیسوی تک مانا جاتا ہے۔اپ بھرنش زبان ادب کی خاص طور

سے دوقسمیں ملتی ہیں: (۱) پچھمی ہندی (۲) پوربی ہندی۔ پچھمی ہندی شورسینی اپ بھرنش سے ترقی پذیر ہوئی ہے۔ اس میں قنوجی، بانگڑو، بندیلی، کھڑی بولی اور برج یہ پانچ بولیاں ہیں، جن میں آخر الذکر دوخاص ہیں۔ ان دونوں میں اول کا ادب، دوسری کے قدیم ادب سے کافی ترقی یافتہ ہے۔ کھڑی بولی اپنے ادبی روپ میں ''ہندی'' نام سے مشہور ہوئی اور یہی ہندوستان کی سرکاری زبان ہے۔ اس کا عربی، فارسی لفظوں سے مزین دوسرا روپ ''اردو'' ہے۔ جو مخصوص قسم کے شعروادب کے نظریے سے کافی خوشحال ہے۔ کھڑی بولی وغیرہ کے لیے ناگری رسم الخط کا استعمال ہوتا ہے اور اردو کے لیے عربی کے ترمیم شدہ رسم الخط کا۔ ہندی اردو کا ملا جلا روپ ہندوستانی کہلاتا ہے۔ پوربی ہندی نے اردھ ماگدھی اپ بھرنش سے عروج پایا ہے۔ اس میں اودھی، بگھیلی اور چھتیس گڑھی تین بولیاں ہیں۔ قدیم ادب کے نقطۂ نظر سے اودھی مال دار زبان ہے، جس کو تلسی اور جائسی جیسے اعلیٰ درجے کے کوی (شاعر) حاصل ہوئے ہیں۔ (تیواری، ڈاکٹر بھولا ناتھ، بھاشا وگیان کوش، وارانسی، گیان منڈل لمیٹڈ، ۲۰۲۰ سموت، ص ۲۷ تا ۱۴۷، تیواری، ڈاکٹر بھولا ناتھ، بھاشا وگیان، الہ آباد، کتاب محل، 1951ء، ص ۱۹۴-۱۹۵)

مختصر یہ کہ قیاس کے مطابق ایک ہزار عیسوی کے قریب اپ بھرنش کی مختلف علاقائی زبانوں سے جدید آریائی زبانوں کی نشوونما ہوئی اور اپ بھرنش سے ہی ہندی زبان کی تخلیق ہوئی۔ ہندی زبان و ادب کے ماہرین اپ بھرنش کی آخری شکل وصورت ''اوہٹھ'' سے ہندی کی ولادت تسلیم کرتے ہیں۔ بعض ماہرینِ زبان نے اسی ''اوہٹھ'' کو قدیم ہندی کا نام دیا ہے۔

جدید آریائی زبانوں میں ہندی بھی ہے، جس کی پیدائش ایک ہزار عیسوی کے قریب ہوئی لیکن اس میں ادبی تخلیق کا عمل گیارہ سو پچاس عیسوی یا اس کے بعد تیرہویں صدی میں شروع ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ ہزاری پرساد دویدی ہندی کو دیہاتی اپ بھرنشوں (بگڑی ہوئی زبانوں) کا روپ مانتے ہیں۔ اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ موجودہ ہندی زبان جو کہ دُنیا کی مشہور اور ہندوستان کی سرکاری زبان ہے وہ سنسکرت کے الفاظِ صحیحہ، مسخ شدہ، تبدیل شدہ اور مختلف علاقائی زبانوں کی مرہونِ منت ہے۔
(تیواری، ڈاکٹر بھولا ناتھ، بھاشا وگیان کوش، وارانسی، گیان منڈل لمیٹڈ، ۲۰۲۰ سموت، ص ۲۷ تا ۱۴۷)

لسانیات کے ماہرین ومحققین ہندی اور اردو کو ایک ہی زبان خیال کرتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ''ہندی'' دیوناگری رسم الخط میں لکھی جاتی ہے اور الفاظ کی سطح پر زیادہ تر سنسکرت کے لفظوں کا استعمال کرتی ہے، جب کہ ''اردو'' فارسی رسم الخط میں لکھی جاتی ہے اور الفاظ کی صورت میں اس پر عربی و فارسی زبان کے لفظوں کا زیادہ اثر ہے۔ لیکن جہاں تک عربی، فارسی اور انگریزی وغیرہ کے الفاظ کے استعمال کی بات ہے تو اس تعلق سے دونوں زبانوں میں کافی یکسانیت ہے۔ ہندی کے بابت اپنی تحقیق

پیش کرتے ہوئے ماہر لسانیات ڈاکٹر بھولا ناتھ تیواری لکھتے ہیں:

''ہندی میں تقریباً پچیس سو عربی الفاظ، پینتیس سو فارسی الفاظ، تین ہزار انگریزی الفاظ، ایک سو پرتگالی الفاظ، سو سے زائد پشتو الفاظ اور تقریباً ایک سو پچیس ترکی الفاظ ہیں جن کا اس وقت ہندی میں دھڑلّے سے استعمال ہو رہا ہے۔''

(تیواری، ڈاکٹر بھولا ناتھ، شبدوں کا جیون، نئی دہلی، راج کمل پرکاشن، ۱۹۷۷ء، ص ۵۴)

لفظی یکسانیت کے علاوہ اصول وقواعد کے اعتبار سے بھی اردو اور ہندی میں تقریباً سو فی صد مماثلت ہے۔ صرف بعض چیزوں میں الفاظ کے اشتقاق و ماخذ میں فرق ہوتا ہے۔ نیز کچھ مخصوص آوازیں اردو میں عربی اور فارسی سے لی گئی ہیں اور اسی طرح فارسی اور عربی کے کچھ خاص قواعد کی تشکیل کا طریقہ بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس طرح اردو اور ہندی کو کھڑی بولی کی دو اقسام کہا جا سکتا ہے۔

ہندوستانی زبانوں کے ماہرین و محققین نے ہندی کی چار اقسام یا چار شکلیں بیان کی ہیں:

(۱) **خالص و اعلیٰ ہندی:** یہ ہندی کا معیاری روپ ہے، جس کا رسم الخط دیوناگری ہے۔ اس میں سنسکرت زبان کے بہت سے الفاظ ہیں، جنھوں نے فارسی، عربی اور انگریزی وغیرہ کے بہت سے الفاظ کی جگہ لے لی ہے۔ یہ کھڑی بولی پر منحصر ہے۔

(۲) **دکھنی:** یہ اردو اور ہندی کی وہ شکل ہے جو حیدرآباد اور اس کے اطراف و اکناف میں بولی جاتی ہے۔ اس میں فارسی اور عربی کے الفاظ بمقابل اردو کم ہوتے ہیں۔

(۳) **ریختہ:** یہ اردو کا وہ روپ اور وہ قسم ہے جو شاعری میں استعمال ہوتا ہے۔

(۴) **اردو:** یہ ہندی کا وہ روپ ہے جو عربی و فارسی رسم الخط میں لکھا جاتا ہے۔ اس میں سنسکرت کے الفاظ قلیل ہوتے ہیں اور عربی و فارسی کے کثیر۔ اس کا بھی کھڑی بولی پر مدار ہے۔ اور کھڑی بولی کی ان دونوں اقسام یعنی اردو اور ہندی کو ہندوستانی زبان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

مسلم صوفیا، علما، شعرا اور سلاطین کا ہندی سے تعلق

ہندوستان گنگا جمنی تہذیب اور عقیدت و محبت کی سرزمین ہے۔ اس کے ذرّہ ذرّہ میں کچھ ایسی مقناطیسی قوت رہی ہے کہ دُنیا کی ساری قومیں اور مذہبی اکائیاں اس کی طرف شروع سے ہی متوجہ رہی ہیں۔ غالباً اسی وجہ سے ہمارا یہ عزیز ملک نہ صرف ہمیشہ انسانیت و مروت کا مرکز بنا رہا، بلکہ اس کا سماجی ماحول اور معاشرتی زندگی گوناگوں مذہبی و روحانی اثرات سے معمور رہا۔ کیوں کہ علم سماجیات کا عام اصول ہے کہ جب دو یا چند عظیم ثقافتیں و تہذیبیں باہم قریب ہوتی ہیں تو ان میں گفت و شنید، نشست و

برخاست، تبادلۂ خیالات، باہمی تعلقات ومیل جول اور آپسی معاملات ولین دین کی وجہ سے بہت سے اثرات معرضِ وجود میں آتے ہیں۔ اسی باعث اس وطنِ عزیز میں نت نئے افکار ونظریات نے جنم لیا۔ افکار ونظریات کے اختلاف نے نہ صرف ہندوستانی تہذیب کو عروج بخشا بلکہ مختلف تہذیبوں کے اتصال وربط کا راستہ ہموار کیا اور ایک دوسرے کے خیالات اور نظریات کو سمجھنے کا بھی موقع فراہم کیا۔ جس کے نتیجے میں ایک مشترکہ تہذیب کی نشوونما ہوئی۔

مشترکہ تہذیب ہندوستان کی ایک امتیازی شان ہے، جس کی نشوونما میں صوفیاے کرام، علماے عظام اور مختلف مذاہب کے سادھوؤں، سنتوں اور دھرم گروؤں کا اہم کردار رہا ہے۔ اپنے خیالات اور تعلیمات کی تبلیغ واشاعت کے لیے نہ صرف انھوں نے رواداری، امن وآشتی کا طریقہ اختیار کیا بلکہ عوام کے قلوب تک پہنچنے کے لیے انھیں کی زبان استعمال کی۔ کیوں کہ عوام کو متاثر کرنے اور ان کو قریب کرنے کے لیے ان ہی کی زبان میں گفتگو کرنا ضروری ہے۔ اسی کے بعد ایک دوسرے کے خیالات ونظریات میں ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے۔ اس لیے تبلیغ وتعلیم کے لیے انھوں نے جہاں دیگر اصول وطریقے اپنائے وہاں اس علاقہ کی رائج زبانوں پر دسترس حاصل کی، تاکہ بحسن وخوبی اپنا پیغام عوام تک پہنچا سکیں۔ چنانچہ اشاعتِ اسلام کی ہندوستانی تاریخ شاہد ہے کہ جو بھی صوفیا اور علما سرزمینِ ہندوستان میں دیگر ممالک سے تشریف لائے یا ہندوستان میں پیدا ہوئے وہ متبحر عالم وفاضل اور مفتی ہونے کے باوجود دیگر زبانوں کے بھی عالم ومتکلم ہوتے تھے، اور عوام سے انھیں کی مادری وعلاقائی زبان میں گفتگو اور تبلیغ وتعلیم فرمایا کرتے تھے۔ مثلاً: ابوریحان محمد بن احمد البیرونی (پ ۹۷۳ء- ۱۰۵۰ء) مایۂ ناز اسلامی محقق وعالم ہونے کے ساتھ ساتھ ہندو دھرم اور سنسکرت کے ایسے عظیم اسکالر تھے کہ جن کو اہلِ علم و دانش ہندو دھرم کے حوالہ سے بھی ایک مستند ومتبحر عالم کی حیثیت سے جانتے اور مانتے ہیں۔ اور آپ کی شاہکار تصنیف ''تحقیق ماللہند'' ہندو دھرم کے تعلق سے ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ سلطان بلبن کے دور میں مشہور صوفی بزرگ اور اولیاء اللہ حضرت بابا فریدالدین گنج شکر، شیخ بہاؤالدین، شیخ بدرالدین اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی جیسے اکابرین ہوئے ہیں جن کے کلام میں ہندی شاعری کے اثرات موجود ہیں۔ جلال الدین خلجی کے عہد میں مشہور صوفی بزرگ حضرت نظام الدین اولیاء گزرے ہیں ان کی بھی ہندی نگارشات ملتی ہیں اور حضرت امیر خسرو (پ ۱۲۵۳ء، م ۱۳۲۵ء) کے بارے میں سب کو معلوم ہے کہ یہ نظام الدین اولیاء کے شاگرد رشید ومرید خاص تھے اور علاء الدین خلجی کے دربار میں ماہر موسیقی کی حیثیت سے وابستہ تھے۔ (شیرانی، محمود، پنجاب میں اردو، لکھنؤ، مکتبہ

کلیان، ۱۹۶۰ء، ص ۱۴۴، سید صباح الدین، ہندوستانی مسلمان حکمرانوں کے تمدنی جلوے، اعظم گڑھ، معارف پریس، ۱۹۶۳ء، ص ۶۰)

حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز (پ ۱۳۲۱ء، م ۱۴۲۲ء) دکن کے بہت عظیم صوفی عالم ہیں۔ گلبرگہ کرناٹک میں آپ کی عظیم الشان خانقاہ و مزار ہے۔ آپ نے اپنے دور میں ہندوؤں کے فرضی قصوں کو مسلمانوں کی اخلاقی تعلیم کے لیے مثالی طور پر استعمال کیا ہے۔ حضرت شیخ محب اللہ الہ آبادی (۱۵۸۷ء- ۱۶۴۸ء) سلسلۂ چشتیہ کے عظیم بزرگ گزرے ہیں، وہ ہندو مذہب کی معلومات سے دلچسپی رکھتے تھے اور سنسکرت کے بھی زبردست عالم تھے اور ان کی اس سلسلے میں کچھ تصانیف بھی پائی جاتی ہیں۔ خود مولانا امام احمد رضا خاں، ہندو دھرم پر گہری نظر رکھتے تھے جیسا کہ ''فتاویٰ رضویہ جلد ہشتم قدیم کے رسالہ'' انفس الفکر فی قربان البقر'' سے بخوبی ظاہر ہے۔

(ڈاکٹر محمد عمر، ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر، نئی دہلی، نشریات حکومت ہند، ۱۹۹۵ء ص ۱۹، فاروقی، عماد الحسن آزاد، ہند اسلامی تہذیب کا ارتقا، نئی دہلی، مکتبہ جامعہ لمٹیڈ، ۱۹۸۵ء، ص ۵۳، ۷۵)

صوفیا و علما کے علاوہ مسلم سلاطین اور ان کے درباری شعرا کا بھی ہندی سے کافی شغف تھا۔ ہندی زبان اور اس کے علم و ادب سے محمود غزنوی کو جو دلچسپی تھی اس کی دوسری مثال تاریخ کے صفحات میں نہیں ملتی۔ اس کے قابلِ ذکر شعرا میں خواجہ مسعود سعد سلمان بھی ہے، جو اس کے دور کا مشہور فارسی گو شاعر تھا لیکن اس کی ہندی شاعری کا بھی تذکرہ ملتا ہے۔ حضرت امیر خسرو نے بھی سلمان کے ہندی دیوان کا ذکر کیا ہے۔ علاوہ ازیں محمود غزنوی کی علم دوستی و سرپرستی نے سنسکرت کو بھی نوازا اور اپنے سکوں پر سنسکرت کے الفاظ کندہ کرائے۔ (فیروزسی، ایران ان اٹڈیا تھرو دی ایجز، دہلی، ممبئی، دادرا ایشیا پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۶۲ء، ص ۱۴۴، لباب الباب (محمد عوفی) جلد ۲، ص ۲۴۶)

فیروز تغلق بھی ہندی کے شعرا کا خاص خیال رکھتا تھا۔ رتن شیکھر نامی ہندو شاعر سے اس کو بہت انس تھا۔ ہندی کے صوفی شاعر ملا داؤد نے اپنی عشقیہ تخلیق ''چنداین'' اسی عہد میں مکمل کی تھی۔

(ہندوستانی مسلمان حکمرانوں کے تمدنی جلوے، ص ۶۱، سید اسد علی، ہندی ادب کے بھکتی کال پر مسلم ثقافت کے اثرات، نئی دہلی، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۲۰۰۹ء، ص ۳۵)

سترہویں صدی یعنی دورِ جہانگیری میں ملا مسیح پانی پتی ہندی کا مشہور شاعر اور سنسکرت قواعد کا زبردست عالم تھا۔ جس نے فارسی میں رامائن کا منظوم ترجمہ کیا، جو رامائن مسیحی کے نام سے مشہور ہے اور منشی نول کشور پریس سے طبع ہوا ہے۔ دورِ جہانگیری کے ضمیر شاعر نے بھی ہندی میں شاعری کی تھی۔

غواصی بھی اسی دور کا ہندی شاعر تھا جس نے طوطی نامہ کا فارسی سے ہندی میں منظوم ترجمہ کیا۔ اس کے علاوہ ملانوری، شیخ محمد بن شیخ معروف دونوں ہندی کے عمدہ شاعر تھے۔ جن کا تذکرہ آزاد بلگرامی نے بھی کیا ہے۔ (علمی اجالے، ص ۱۶)

اسی طرح عبدالرحیم خان خاناں (۱۵۵۶ء- ۱۶۲۷ء) مرزا جانِ جاناں مظہر (۱۶۹۹ء-۱۷۸۱ء) اور ملک محمد جائسی (۱۴۶۷ء-۱۵۴۲ء) جیسے بہت سے ایسے مسلم صوفیا، علما وشعرا گزرے ہیں کہ جنھوں نے ہندی اور علاقائی زبانوں میں کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں۔ اور ہندی شعروادب کی دُنیا میں اپنا ایک منفرد و نمایاں مقام بنایا ہے۔

مسلم علما، صوفیا، شعرا اور سلاطین کا ہندی ادب سے یہ شغف اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ یہ حضرات کسی زبان کے مخالف نہ تھے۔ وہ مختلف علاقوں اور بستیوں اور ان کی زبانوں سے ویسا ہی تعلق رکھتے تھے جیسے اپنی مادری زبان سے۔ چنانچہ محمود شیرازی لکھتے ہیں:

''شروع سے ہی مسلمانوں کا تعلق ہندی ادب سے رہا۔ چنانچہ بھکتی اور ریتی کال (دور) میں مسلم صوفی اور غیر مسلم صوفی شعرا اور سلاطینِ وقت نے ہندی ادب کے حوالہ سے بھی مثالی اہم کردار ادا کیا۔'' (شیرانی محمود، پنجاب میں اردو، لکھنؤ، مکتبہ کلیان، ۱۹۶۰ء، ص ۲۷)

مختصر یہ کہ مسلم اہلِ علم ودانش جہاں جہاں بھی پہنچے انھوں نے علاقائی یا مقامی زبان اور ان کے خیال وادب کو اپنے سانچے میں ڈھالنے اور اپنانے کا رویہ اختیار کیا جس کے نتیجے میں عربی، ترکی اور پہلوی یا فارسی زبان کو مسلم ثقافت کی خاص زبان اور اس کے ادب کو اس کا مخصوص ادب کہا جانے لگا۔ رواداری کے اسی پہلو کے پیشِ نظر مسلمانوں نے سنسکرت زبان بھی سیکھی۔ اس حوالہ سے ''البیرونی، داراشکوہ، عبدالرحیم خان خاناں'' بطورِ خاص قابلِ ذکر ہیں۔ نیز مسلم حکمرانوں نے سنسکرت کی سرپرستی بھی کی۔ اس کے بعد جب ہندی کا رواج بڑھا تو اس زبان کی خصوصیات کے تحت اس کو بھی مکمل طور پر قبول کیا۔ چنانچہ ترکی، فارسی اور ہندی کو ایک دوسرے کے قریب کرنے میں حضرت امیر خسرو کی شخصیت اور ان کا شعری ونثری سرمایہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ مثلاً ان کے یہ اشعار ملاحظہ فرمائیں:

فارسی بولی آئینہ ترکی ڈھونڈھی، پائی نا
ہندی بولی آرسی آئے خسرو کہے کوئی نہ بتائے

(داس، برج رتن، امیر خسرو کی ہندی کویتا، کاشی، ناگری پرچارنی سبھا ۲۰۱۰ بکرمی، ص ۲۰)

صوفی شاعر ملک محمد جائسی نے بھی اس کو خوب خوب فروغ بخشا۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں:

ترکی، عربی، ہندوی بھاشا جیتی آنہی　　جیہہ منہہ مارگ پریم کا سبے سراہیں تانہی
(شکلا، رام چندر، جائسی گرنتھاولی، پدماوت، اکھراوٹ، آخری کلام، کاشی، ناگری پر چارنی سبھا، ۲۰۱۷ بکرمی، ص ۳۰۱)

بابا فریدالدین گنج شکر (م ۶۶۴ ھ) کہتے ہیں:

جوبن جائے تو جائے، پر پیا کی پیت نہ جائے　　دیکھ سکی جوبن کتنے، بن پریت کے کمھلائے

بوعلی شاہ قلندر پانی پتی (م ۷۲۴ ھ) فرماتے ہیں:

سجن سکارے جائیں گے اور نین مریں گے روئے　　بدھنا ایسی رین کر بھور کدھی نہ ہوئے
(سیدہ جعفر، گیان چند جین، تاریخ ادب اردو، ج ۱ ص ۳۷۷، ۳۸۳)

نعت ومنقبت وغیرہ میں ہندی الفاظ کا استعمال

ہندی، اردو یا ہندوستانی زبان کی ابتدائی وارتقائی تاریخ میں طبقۂ صوفیا وعلما میں ایسے نفوس بھی ایک اچھی تعداد میں رہے ہیں کہ جن کو شعر وسخن سے کافی دلچسپی تھی، اور یہ ذوق فطری اور قدرتی طور پر ان میں ودیعت تھا۔ چنانچہ انھوں نے ہندی وعلاقائی زبان میں نعتیں، منقبتیں، رباعیات، گیت، چھند اور دوہے وغیرہ لکھے۔ جس کے ذریعے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ اقدس اور بزرگ اکابرین کے دربار پر وقار میں نذرانۂ عقیدت پیش کرنا چاہتے تھے۔ کیوں کہ وہ اس کو نہ صرف خیر وبرکت اور نجات و مغفرت کا ذریعہ تصور کرتے تھے، بلکہ اسلامی تعلیمات اور پیغامِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو امتِ اجابت و دعوت تک پہنچانے کا طریقہ سمجھتے تھے۔ بقول مومن خاں مومنؔ:

اس سہارے پر پڑھی مومنؔ نے نعتِ مصطفیٰ
حشر میں شاید نجاتِ دائمی مل جائے گی

اور بقول قمر شمس آبادی:

اسی یقین سے پڑھتے ہیں نعتِ پاک رسول
گنہ گار ہیں شاید نجات ہو ہی جائے

ہندی ادب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلم صوفیا، علما اور شعرا نے قدیم ہندوستانی شعر و ادب کی اہمیت کو بھی خوب اچھی طرح سے جانا، پہچانا اور فروغ بخشا۔ ہندی، ہندوستانی وعلاقائی زبانوں میں دیگر تخلیقات کے ساتھ ساتھ بارگاہِ رسول اور بارگاہِ اولیا میں بھی عمدہ اسلوب میں قصیدہ خوانی فرمائی۔ جن میں ملک محمد جائسی، امیر خسرو، نور محمد، مناظر احسن گیلانی اور الیاس برنی وغیرہ بالخصوص قابلِ ذکر

ہیں۔ چنانچہ ملک محمد جائسی کہتے ہیں:

باس سباس لیو ہیں جہاں ناؤں رسول پکاریں تہاں

(جہاں جہاں انسانوں کی آبادی رہی رسول کا نام وہاں پکارا گیا یعنی رسول آئے۔)

سوا لاکھ پیغمبر سر جیو ساتھ کھنڈ بیکنٹھ سنواریو

رتن ایک دھنے اوتارا ناؤ محمد جگ اُجیارا

(یہاں اوتار سے مراد رسول ہے۔ اور اوتار کا لغوی معنی ہے بھیجا ہوا، اتارا ہوا، اور یہی رسول کے معنی بھی ہیں۔)

(شکلا، رام چندر، جائسی گرنتھاولی، پدماوت، اکھراوٹ، آخری کلام، کاشی، ناگری پرچارنی سبھا، ۲۰۱۷ء بکرمی، ص ۳۴۷، ۳۵۷، ۳۶۱)

چار میت جو محمد ٹھاؤں جنہیں دینہہ جگ نرمل ناؤں

(چار یار جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بہت قریب تھے اور جن کو دُنیا نے بہترین نام سے یاد کیا۔)

گگن ھتا نہیں مہی ھتی ھتے چند نہیں سور

ایسی اندھ کوپ مہہ رچا محمد نور

(جائسی گرنتھاولی، پدماوت، ص ۵، اکھراوٹ، ص ۳۰۳)

قیامت کا منظر اور حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شفاعتِ کبریٰ کا نقشہ پیش کرتے ہوئے ملک محمد جائسی کہتے ہیں:

سوا لاکھ پیغمبر جیتے اپنے اپنے پائیں تیتے

ایک رسول نہ بیٹھ چاہاں سب ہی دھوپ لیہیں سرماہاں

کہب رسول کہ آیسو پاووں پہلے سب دھرمی کے آووں

(جائسی گرنتھاولی، آخری کلام، ص ۳۵۰)

(سوا لاکھ پیغمبر سب کے سب سایہ میں نہ بیٹھ کر دھوپ میں رہیں گے اور اپنی اپنی اُمت کی شفاعت کریں گے۔ پھر رسول کہیں گے کہ اجازت مل گئی۔ اس سے پہلے سب نیک لوگوں کو لے آؤ۔

حضرت امیر خسرو فرماتے ہیں:

رینی چڑھی رسول کی سو رنگ مولیٰ کے ہاتھ

جس کے کپرے رنگ دیے سو دھن دھن وا کے بھاگ

ساجن یہ مت جائیو تو ہے بچھڑت موہے کو چین
دیا جلت ہے رات میں اور جیا جلت بن رین
خسرو سریر سرائے کیوں سووے سکھ چین
کوچ نگارا سانس کا باجت ہے دِن رین

ہندی شاعر نور محمد اپنی شاہکار تخلیق اندراوتی میں بارگاہِ رسول میں یوں نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہیں:

پہلے نور محمد کینہا پاچھے تیہک جنتا سب کینھا
اپنی دشت جائی جیہہ کیری سو وہیں تمہیں وہ جوت ست تیری

(پہلے نورِ محمد پیدا کیا، پھر پوری دُنیا پیدا کی۔ اپنی نظر جس طرف جاتی ہے سو وہیں تہیں وہ جوت ست تیری)

نس دن سمر محمد ناؤں جاسوں ملے سرگ میں ٹھاؤں
(ہر دن محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نام یاد کرو اسی سے جنت میں جگہ ملے گی۔)

(نور محمد، اندراوتی، ۱۹۰۶ء، ص ۹۶)

منظر احسن گیلانی بزبانِ ہندی اس طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مدح خوانی کرتے ہیں:

پیارے محمد جگ ساجن تم پر واروں تن من دھن
تمہری صورتیاں من موہن کبھو کرائیو تو درشن
جیا کنھڑے دلوا ترسے کڑکا کڑے، بدرا برسے
صلی اللہ علیک نبینا

(آزاد، دھرمیندر ناتھ، پروفیسر، ہمارے رسول، نئی دہلی، سفارتِ جمہوری ایران، ۲۰۱۱ء، ص ۱۴۰)

اور الیاس برنی اپنی محبتوں کا اس طرح خراج پیش کرتے ہیں:

لاج رکھیو نبی جی ہماری میں تو چیری جی سے تمہاری
لاگی پریم کی من میں کٹاری جاکے تم بن کرے کون کاری
ایسے من میں بسے ہیں محمد جاؤں جا پہ بلہاری
مورا جیرا تم پہ واری

(ہمارے رسول، ص ۱۴۱)

احد احمد کا بھید جو پایا یہ چتر نگ وہ گایا جی
بے رنگی سے رنگ میں آیا وہ بدھ روپ دکھایا جی
خودی کنوائے خدا کو پائے یہ منتر من بھایا جی
جاؤں وا جد گرو کے بلہاری جن یہ بھید بتایا جی

(ہمارے رسول، ص ۱۴۴)

ہندی یا ہندوستانی زبان میں صرف مسلم صوفیا علما اور شعرا نے ہی مدح سرائی نہیں کی ہے بلکہ اس سلسلے میں ہندو سنتوں، دھرم گروؤں اور کویوں کی بھی ایک طویل فہرست ہے کہ جنھوں نے بزبانِ ہندی صرف نعتیہ و منقبتیہ کلام ہی نہیں پیش کیا ہے بلکہ شاید و باید ہی اسلام کا کوئی گوشہ ایسا ہو کہ جس کو انھوں نے ہندی شعر و سخن کے سانچے میں نہ ڈھالا ہو۔ یہ اسی کاوش کا نتیجہ ہے کہ ہندی ادب میں اسلام کی بہورنگی چھاپ نظر آتی ہے۔ آپ خود ہی ملاحظہ فرمایئے۔ مشہور ہندو سنت داود دیال کہتے ہیں:

دل دریا میں غسل ہمارا وضو کر چت لاؤں
صاحب آگے کروں بندگی بیر بیر بلی جاؤں
کیا وضو پاک کیا منھ دھویا کیا میست سر لایا
جو دل میہ کپٹ نواج گزرا ہو کیا حج کعبہ جایا

(دل کے دریا میں ہمارا غسل ہو وضو کریں، دل لگائیں، مالک کی بندگی کریں اور بار بار قربان ہوں۔ وضو کے ذریعے منھ دھونے کا کیا فائدہ، مسجد میں جا کر سجدہ کرنے کا کیا فائدہ؟ اگر دل میں بغض ہے تو نماز پڑھنے اور کعبہ جا کر حج کرنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں۔)

بہشت دوزخ دین دنیا چکارے رحمان
میر میری پیر پیری فرشتہ فرمان
آب آتش عرش کرسی دیدنی دیوان
ہر دو عالم خلق خانہ موموناں اسلام

زور نہ کرے حرام نہ کھائی
سو مومن بہشت ما جائی
سو مومن موم دل ہوئی
سائیں کو پہچانے سوئی

(دادودیال کی بانی، الہ آباد، ویل ویڈیر پرنٹنگ ورکس، ۱۹۶۳ء، بھاگ ا ص ۶۳، ۱۳۰، ۱۲۹، بھاگ ۲، ص ۱۶۶)

سنت کبیر داس اس طرح گویا ہوتے ہیں:

اللہ اول دین کو صاحب جور نہیں فرماوے
نواج سوئی جو نیائی و چارے کلمہ اکلہہ جانے
پانچھوں مس مصلی بچھاوے تب تو دین پہچانے

(اللہ تعالیٰ دین میں کوئی زبردستی نہیں فرماتا ہے نماز اسی کی ہے جو عدل سے کام لے اور کلمہ اسی کے لیے ہے جو عقل سے سمجھے۔ پانچوں وقت کی نماز پڑھنے والا ہی دین کو پہچان سکتا ہے۔)

(شیام سندر، ڈاکٹر، کبیر گرنتھاولی، وارانسی، ناگری پرچارنی سبھا، آٹھواں ایڈیشن، ص ۲۵۳ / ۲۵۴)

بابا ملوک داس فرماتے ہیں:

جو پیاسے کو دیوے پانی بڑی بندگی موحمد مانی
جو بھوکے کو اَن کھواوے سو ستاب صاحب کو پاوے

(ملوک داس جی کی بانی، پریاگ، ویل ویڈیر پریس، تیسرا ایڈیشن، ۱۹۴۶ء، ص ۲۲)

بابا گرونانک، اللہ، رسول اور قرآن کی اس طرح تعریف کرتے ہیں:

کل پروان کتیب قرآن پوتھی پنڈت رہے پران
نانک ناؤ بھئی رحمان کرکرتا تو، ایکو جان

کتھے نورِ محمدی ڈٹھے نبی رسول
نانک قدرت دیکھ خودی گئی سب بھول
محمد من تو من کتاباں چار
من خدائے رسول نوں سچا ای دربار

(مشرا، جے رام، ڈاکٹر، نانک بانی، الہ آباد، منتر پرکاش، ۲۰۱۹ بکرمی، ص ۵۰۱، ہمارے رسول، ص ۵۹۰)

شہنشاہ اکبر کے دربار کے معروف ہندی کوی تان سین؛ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں یوں محبت کے پھول پیش کرتے ہیں:

پاک محمد اللہ رسول تیرا ہی نور ظہور
دھن دھن پروردگار گنہ گار تو کرن جگ رم رہیو بھرپور
بیچن بیچکن دے سمیوے نمن اول آخر توں ہی نکٹ تو ہی دور
جنت دیکھوں تت توں بیاپ رہیو جل تھل دھرتی آکاش تان سین۔۔۔تو ہی حضور

(اگروال، سرلو پرساد، ڈاکٹر، اکبری دربار کے ہندی کوی تان سین کے دھروپد، لکھنؤ، یونیورسٹی، ۲۰۰۷ء، بکرمی، ص ۳۹۴)

بابا بھاگو داس اپنے خیالات کی اس طرح ترجمانی کرتے ہیں:

کانپت ہے تب سے جیا ہمرو　　کون جتن لاگب پار
کیسے کرب آئے لے جاون ہار
بھاگو سوچ مت کچھو　　ہیں محمد سب کو نباہن ہار
کیسے کرب آئے لے جاون ہار
سماج گون پیالے کے چلے　　نہیں کوئی سکھی سنگ ہمار
کیسے کرب آئے لے جاون ہار

(ہمارے رسول، ص ۵۹۱)

دھرما، مراؤ بریلوی اپنے جذبات کا یوں گلدستہ پیش کرتے ہیں:

نینن پسار دیکھا سب جگ　　تمہیں ہو دوسر نہیں اور
پیا اِک بیر دیکھو نینن کی اور
کب دیہو درشن پیا محمد موہے　　یہ ہی نس دن گور
پیا اک بیر دیکھو نینن کی اور

(ہمارے رسول، ص ۵۹۲)

اسی طرح سنت کبیر دار بنارسی؛ نامِ محمد کی اہمیت وعظمت کو ریاضی کے ایک فارمولہ کے ذریعے بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ محمد کے عدد یا نمبر ۹۲ ہیں جو اس کائنات کی ہر شئ میں جلوہ گر ہیں:

عدد نکالو ہر چیز سے چوگن کرلو وائے
دو ملا کے پچگُن کرلو بیس کا بھاگ جگائے
باقی بچے کے نو گن کرلو دو اس میں اور ملائے
کہت کبیر سنو بھائی سادھو، نامِ محمد آئے

اور بابا گرودت داس اپنے جذباتِ محبت کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں:

جہکا سبھی خدائے کہت ہیں　　سب کے ہردے میں بسے بھرپور　　مگن بہئے منوا نرکھت نور
لکھ گرودت اللہ اَ لکھ　　اب چل حاضر ہوئ حضور　　مگن بہئے منوا نرکھت نور

(ہمارے رسول، ص ۵۹۴)

ssion

دیوانِ رضاؔ میں ہندی اور سنسکرت کے الفاظ کا استعمال

مولانا احمد رضا خاں کے دیوان ''حدائقِ بخشش میں ہندی، ہندوستانی، علاقائی، بھوجپوری اور سنسکرت وغیرہ کے الفاظ اتنی کثیر تعداد میں موجود ہیں کہ جو ایک طویل تحقیقی مقالہ کے متقاضی ہیں۔ آپ نے اپنے نعتیہ کلام میں اس حسن وخوبی کے ساتھ ان کو نظم و منسلک کیا ہے کہ ماہرینِ لسانیات اور دانشورانِ شعروادب کو بارہا یہ کہتے سنا ہے کہ مختلف زبانوں کا ایسا حسین امتزاج اور سندر سنگم شاید و باید ہی کہیں دیکھنے کو ملتا ہے۔ مولانا احمد رضا خاں نے زبان ہائے مختلف کو ایسا شعری جامہ پہنایا ہے کہ اگر وہ اشعار صرف اردو یا دیگر کسی ایک زبان میں ہوتے تو ہرگز وہ حسن اور ندرت آفرینی جلوہ گر نہ ہوتی جو دیگر زبانوں کے استعمال واتصال سے کلام میں رونما ہوئی ہے۔

دیوانِ رضا میں مستعمل جملہ ہندی وسنسکرت الفاظ کا اس مختصر مقالہ میں تحقیقی جائزہ ہرگز نہیں لیا جاسکتا، اس کے لیے ایک طویل دفتر چاہیے، سرِ دست ہم تین چار نعتوں کے ان اشعار کو یہاں رقم کررہے ہیں جن میں ہندی الفاظ بکثرت وارد ہوئے ہیں۔ ہندی الفاظ کو ہم ہندی، سنسکرت اور اردو لغات کے حوالہ جات کے ساتھ اس طرح ذکر کریں گے کہ ہر لفظ کے سامنے لغت کا نام اور صفحہ نمبر درج ہوگا۔ ہندی الفاظ کی لغوی اور معنوی وضاحت کے لیے ہم نے بالخصوص ''پاٹھک، پنڈت رام چندر، آدرش ہندی شبد کوش، وارانسی، بھارگو بک ڈپو، ۲۰۰۱ء، آپٹے، وامن شوارام، سنسکرت ہندی کوش، دہلی، موتی لال بنارسی داس، ۱۹۹۷ء، اور مولوی فیروز الدین، فیروز اللغات، لاہور، فیروز سنز، جدید ایڈیشن'' سے استفادہ کیا ہے۔ اس لیے حوالہ جات میں ہم بطورِ اختصار تینوں لغات کا مکمل نام نہ ذکر کرکے صرف ہندی لغت کے لیے ''ہ''، سنسکرت لغت کے لیے ''س'' اور فیروز اللغات اردو کے لیے ''ف'' ہی بار بار استعمال کریں گے۔

دیوانِ رضا میں مختلف زبانوں کے الفاظ کا انتہائی بے تکلفی اور آسانی سے استعمال بھی دیوانِ رضا کو ایک منفرد ویگانہ دیوان کی حیثیت سے متعارف کراتا ہے، اس لیے کہ آپ سے پہلے بھی اگرچہ اس طرز پر متعدد حضرات نے بہت ہی نادر اسلوب اور عمدہ پیرائے میں اشعار کہے ہیں، لیکن مرورِ زمانہ کے پیشِ نظر آپ کے کلام میں اس نہج کا عروج وارتقا نظر آتا ہے۔ چنانچہ شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۴۴ھ) فارسی کے ساتھ ساتھ ہندی میں الکھ داس کے نام سے شاعری کرتے تھے۔ ان کے یہاں فارسی اور ہندی کا کتنا حسین امتزاج ہے ملاحظہ فرمائیے:

صدق رہبر، صبر توشہ، دشت منزل، دل رفیق
ست نگری، دھرم راجا، جوگ مارگ (کذا)

(قادری، حامد حسن، داستان تاریخ اردو، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ص ۵۷)

یہی انداز اور یہی رنگ حضرت امیر خسرو کے یہاں بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔ مثلاً:

زحالِ مسکیں مکن تغافل، دورائے نیناں بتائے بتیاں
کہ تابِ ہجراں نہ دارم اے جاں نہ لیہوں کاہے لگائے چھتیاں
شبانِ ہجراں دراز چوں زلف، و روز وصلش چو عمر کوتاہ
سکھی پیا کو جو میں نہ دیکھوں تو کیسے کاٹوں اندھیری رتیاں
یکا یک از دل دو چشم جادو بصد فریبم ببرد تسکیں
کسے پڑی ہے جو جا سناوے پیارے پی کو ہماری بتیاں

(عبدالحق، مولوی، اردو کی نشوونما میں صوفیاے کرام کا کام، نئی دہلی، انجمن ترقی اردو، ص ۱۲)

مقالہ کے عنوان کے تعلق سے یہ حقیقت بھی قارئین کے پیشِ نظر رہنا چاہیے کہ ہندی الفاظ کے ضمن میں ہی سنسکرت کے الفاظ کا بھی تذکرہ موجود ہے، کیوں کہ سنسکرت کے اکثر وبیش تر الفاظ پر ہی ہندی کا انحصار ہے۔ سنسکرت کے الفاظ ہندی میں یا تو بعینہٖ استعمال ہوئے ہیں یا مسخ وترمیم شدہ انداز میں۔ مشتے نمونہ از خروارے ہم ایسے چند الفاظ کی فہرست ذیل میں پیش کر رہے ہیں جو سنسکرت اور ہندی میں یکساں طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً:

جگ، راج، چندن، چندر، دردا، دھن، بن، جھل، نر، پتر، پرتھم، چترپتر، ماتر، بھراتر، پاؤ، ابھرو، چکشو، دنت، شیام، چھایا، میگھ، پرتاپ، بھوم تارا، سوریہ، روم، پنچم، وایو، چندرما، گریشم، آہار، گئو، مہش اَشو، شاکھا، ہلاہل، دام، دُھتر، سپتم ، ششم، اشٹم، نوم، شت، ورشا، ہاھو، سوسر، ماش اور جال وغیرہ۔

دیوانِ رضا نے ہندی یا ہندوستانی زبان کے حوالہ سے ایک اور عظیم کارنامہ انجام دیا ہے، اور وہ یہ کہ بہت سے الفاظ متروک ہوگئے تھے اور بہت سے الفاظ کمتر سمجھ کر حقارت وپستی کے تاریک غار میں ڈھکیل دیے گئے تھے، لیکن مولانا احمد رضا خاں نے اپنے دیوان میں ان کو مناسب مقام اور موزوں شکل دے کر معراجِ لفظی اور ادبی بلندیوں سے ہمکنار کیا۔

مختصر یہ کہ اردو، عربی، فارسی، ہندی، سنسکرت اور ہندوستانی الفاظ کے حسین سنگم اور گنگا جمنی تہذیب کے بہترین تصور کی رعنائیاں دیوانِ رضا میں جا بجا بحسن وخوبی نظر آتی ہیں۔ آپ خود ہی ملاحظہ

فرمایئے:

لَمْ یَاتِ نَظِیْرُکَ فِی نَظَرٍ مثلِ تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سو ہے تجھ کو شہِ دوسرا جانا

ہندی الفاظ مع معانی: جگ: دُنیا، ہ ۱۹۲، راج: حکومت، ہ ۷ ۵۳، تورے: تیرے، ہ ۲۵۸۔اول الذکر دونوں الفاظ سنسکرت سے اخذ کیے گئے ہیں۔

اَلْبَحْرُ عَلَا وَالْمَوْجُ طَغٰی من بیکس و طوفاں ہوش ربا
منجدھار میں ہوں بگڑی ہے ہوا موری نیا پار لگا جانا

ہندی الفاظ مع معانی: منجدھار: دریا کی بیچ دھار، ہ ۷ ۴۸ ، بگڑی: خراب شدہ، ف ۲۱۰، موری: میری، ہ ۵۲۲، نیا: کشتی، ناؤ، ہ۔

یَا شَمْسُ نَظَرْتِ اِلٰی لَیْلِیْ چو بطیبہ رسی عرض بکنی
توری جوت کی جھل جھل جگ میں رچی مُری شب نے نہ دن ہونا جانا

ہندی الفاظ مع معانی: توری: تیری، ہ ۲۵۸، جوت: روشنی، س ۴۱۱، ہ ۲۰۵، جھل جھل: چمک دمک، س ۴۱۲، ۲۱۰، جگ: دُنیا، سنسار، ہ ۱۹۲، س ۳۹۳، رچی: رچنا، سجنا، بسنا، ہ ۵۳۱، موری: میری، ہ ۵۲۲۔

لَکَ بَدْرٌ فِی الْوَجْہِ الْاَجْمَل خط ہالۂ مہ زلف ابرِ اجل
تورے چندن چندر پروکنڈل رحمت کی بھرن برسا جانا

ہندی الفاظ مع معانی: تورے: تیرے، ہ ۲۵۸، چندن: خوشبودار لکڑی، س ۳۰۷، ہ ۱۶۴، چندر: چاند، س ۳۰۷، ہ ۱۶۴، کنڈل: چاند یا سورج کا حلقہ و دائرہ، ہ ۱۰۳۵، بھرن: زور شور کی بارش جو دَم بھر میں جل تھل کر دے، ف ۲۳۵۔علاوہ ازیں بھرن ایک پیمانہ ہوتا تھا اور دھات کا ایک برتن جو لگن کی طرح ہوتا تھا، اس کو بھی بھرن کہتے تھے۔اسی برتن میں اناج یا زر و جواہر یا لباس وغیرہ سجا کر کر راجستھانی راجہ مہاراجہ دیا کرتے تھے اسی کو بھرن دینا یا بھرن برسانا کہا جاتا تھا۔آزادیِ ہندوستان سے قبل یہ رواج میواڑ کے راجاؤں میں رائج تھا۔

(بستوی، سراج احمد، ڈاکٹر، مولانا احمد رضا خاں کی نعتیہ شاعری، دہلی، رضوی کتاب گھر، ۱۹۹۷ء، ص ۲۷۸)

اَنَا فِیْ عَطَشٍ وَ سَخَاکَ اَتَمْ اے گیسوئے پاک اے ابرِ کرم
برسن ہارے رم جھم رم جھم دو بوند اِدھر بھی گرا جانا

ہندی الفاظ مع معانی: برسن: برسنا، ہ ۴۳۸، ہار: موتیوں جیسی مالا، ہ ۶۸۲، برسن ہارے: برسنے والے یا بارش والے، رم جھم رم جھم: چھوٹی چھوٹی پانی کی بوندوں کا برابر گرنا، ہ ۵۴۲، گرانا: نیچے ڈالنا، پھینکنا، ہ ۱۰۸۸۔

یَا قَافِلَتِی زِیْدِیْ اَجَلَکْ رحمے بر حسرت تشنہ لبک
مورا جیرا لرجے درک درک طیبہ سے ابھی نہ سنا جانا

ہندی الفاظ مع معانی: مورا: میرا، ہ ۵۲۲، جیا: من، دل، ہ ۲۰۰، لرجے: لرجنا، ہلنا، کانپنا، ہ ۵۵۴، درک درک، خوف زدہ، پھٹا ہوا، ہ ۲۶۹۔

وَاھًا لِسُوَیْعَاتٍ ذَھَبَتْ آں عہد حضور بارگہت
جب یاد آوت موھے کر نہ پرت دردا وہ مدینے کا جانا

ہندی الفاظ مع معانی: آوت: آتا ہے، ہ ۵۸، موھے: مجھ کو، ہ ۵۲۲، پرت: پڑتا ہے، ہ ۴۵۷، دردا: درد سے، ہ ۲۶۹، درد سے دردا ہندی بولی بمعنی تکلیف۔

اَلْقَلْبُ شَجٍ وَّالْھَمُّ شُجُوْں دل زار چناں جاں زیر چنوں
پت اپنی بپت میں کاسے کہوں مورا کون ہے تیرے سوا جانا

ہندی الفاظ مع معانی: پت: عزت، مالک، سوامی، ہ ۳۵۲، بپت: دکھ درد، رنج و تکلیف، ہ ۴۵۳، کاسے: کس سے، کس کو، ہ ۱۰۷، جانا: جانا بوجھا، ف ۴۴۷، یا جاناں سے جانا بمعنی محبوب، پیارا اور عزیز جان ف ۴۴۳۔

اَلرُّوْحُ فِدَاکَ فَزِدْ حَرْقًا یک شعلہ دگر برزن عشقا
مورا تن من دھن سب پھونک دیا یہ جان بھی پیارے جلا جانا

ہندی الفاظ مع معانی: مورا: میرا، ہ ۵۲۲، من: دل، س ۱۷۷، دھن: دولت، پیاری اشیا، س ۴۸۷، پھونک دیا: جلا دیا، راکھ کر دیا، ہ ۴۲۵۔ پیارے: محبوب کے لیے کلمۂ خطاب: ہ ۳۲۲۔

مذکورہ بالا بہو رنگی زبانوں سے متصف نعت کے علاوہ بہت سی ایسی نعتیں ہیں کہ جن میں کثرت سے ہندی اور ہندوستانی زبانوں کی حسین جلوہ گری ہے۔ مثلاً:

اندھیری رات ہے غم کی گھٹا عصیاں کی کالی ہے
دلِ بیکس کا اِس آفت میں آقا تو ہی والی ہے

ہندی الفاظ مع معانی: اندھیری رات: کالی، سیاہ رات، ہ ۱۲۹، گھٹا: کالی بدلی، ف ۱۱۲۱۔

ssion

اترتے چاند ڈھلتی چاندنی جو ہوسکے کرلے
اندھیرا پاکھ آتا ہے یہ دو دن کی اُجالی ہے

ہندی الفاظ مع معانی: اندھیرا پاکھ: ہندوستانی تاریخ وتہذیب میں مہینے کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے ایک اُجالا پاکھ جس کو سنسکرت میں شکل پکچھ کہتے ہیں اور دوسرا اندھیرا پاکھ جس کو سنسکرت میں کرشن پکچھ کہتے ہیں۔ یعنی چاند کے مہینے کے پہلے پندرہ دن جس میں چاند کی روشنی دھیرے دھیرے بڑھتی ہے اس کو اُجالا پاکھ کہتے ہیں، اور بعد کے پندرہ دن جس میں چاند کی روشنی دھیرے دھیرے گھٹتی ہے اس کو اندھیرا پاکھ کہتے ہیں۔ اترتے چاند: ڈوبتا چاند، آخر ماہ، ف ۶۳۔ ڈھلتی چاندنی: گھٹتی چاند کی روشنی، ف ۶۸۵۔ اُجالی: روشنی، چمک، ف ۶۶۔

ارے یہ بھیڑیوں کا بن ہے اور شام آگئی سر پر
کہاں سویا مسافر ہائے کتنا لا اُبالی ہے

ہندی الفاظ مع معانی: ارے: دیکھو، تعجب کے لیے، ہ ۱۴، بھیڑیا، بن: جنگل، ہ ۴۳۵۔

اندھیرا گھر اکیلی جان دَم گھٹتا دل اُکتاتا
خدا کو یاد کر پیارے وہ ساعت آنے والی ہے

ہندی الفاظ مع معانی: اندھیرا گھر: جس میں روشنی نہ ہو، ہ ۷، دَم گھٹنا: سانس رکنا، گھبراہٹ ہونا، ہ: ۱۵۸، ف ۳۴۶۔ دل اکتانا: گھبرانا، ہ ۶۴، پیارے: محبوب کے لیے کلمۂ خطاب، ف ۳۲۲۔

زمیں تپتی کٹیلی راہ بھاری بوجھ گھائل پاؤں
مصیبت جھیلنے والے ترا اللہ والی ہے

ہندی الفاظ مع معانی: کٹیلی راہ: نوک دار، کانٹے دار، ہ ۸۹، بھاری بوجھ: بہت وزنی، بوجھل: ف ۲۲۹۔ گھائل پاؤں: زخمی پیر، ہ ۱۵۷، ۳۷۱، جھیلنا: برداشت کرنا، ہ ۲۱۴۔

نہ چونکا دن ہے ڈھلنے پر تری منزل ہوئی کھوٹی
ارے او جانے والے نیند یہ کب کی نکالی ہے

ہندی الفاظ مع معانی: چونکا: خوف سے کانپا، بیدار ہوا، ہ ۱۷۹، ڈھلنا: لڑھکنا، بیتنا، ہ ۲۳۴۔ کھوٹی: ناقص، ادھوری، ہ ۱۳۷۔ ارے او: کلمۂ ندا وتعجب، ف ۵۷۔

اسی طرح دیوانِ رضا کی حسب ذیل نعت کو دیکھیں کہ ہندی الفاظ کا کتنا حسین امتزاج اس میں نمایاں ہے:

سونا جنگل رات اندھیری چھائی بدلی کالی ہے
سونے والو! جاگتے رہیو چوروں کی رکھوالی ہے

ہندی الفاظ مع معانی: سونا: بیابان، ویران، ہ۱۶۶۱، رات اندھیری: کالی رات، سیاہ رات، ہ۱۲۹، چھائی بدلی: پھیل کر چھایا ہوا بادل، ہ ۴۳۴، جاگتے رہیو: محاورہ ہ، بیدار رہنا، نہ سونا۔ رکھوالی: حفاظت کرنے والی یا طریقۂ حفاظت، ہ۱۵۳۱۔

آنکھ سے کاجل صاف چرالیں یاں وہ چور بلا کے ہیں
تیری گٹھری تاکی ہے اور تو نے نیند نکالی ہے

ہندی الفاظ مع معانی: آنکھ سے کاجل چرانا: اس طرح چوری کرنا کہ کسی کو خبر تک نہ ہو، ف ۳۰، ہ ۱۰۴۔ چور بلا کے: انتہائی غضب کے، نہایت چالاک، ہ۱۲۸، گٹھری: بڑی پوٹری، ہ۱۳۹، تا کی: ٹکٹکی باندھ کر دیکھی، ہ۱۹۰، نیند نکالنا: نیند پوری کرنا، ہ ۶۹۵-۱۲۹۷۔

یہ جو تجھ کو بلاتا ہے یہ ٹھگ ہے مار ہی رکھے گا
ہائے مسافر دَم میں نہ آنا مت کیسی متوالی ہے

ہندی الفاظ مع معانی: ٹھگ: فریبی، چنچل، ہ ۲۲۳، مار ہی رکھے گا: مار ہی ڈالے گا، ہائے: آہ، افسوس، ف ۱۰۱۷، دم: دھوکہ، مت: عقل، ہ۴۸۹، متوالی: جنونی، پاگل، ہ۴۸۹۔

سونا پاس ہے سونا بن ہے سونا زہر ہے اُٹھ پیارے
تو کہتا ہے میٹھی نیند ہے تیری مت ہی نرالی ہے

ہندی الفاظ مع معانی: سونا: زر، ف ۷۴۳، سونا: ویران، بیاباں، ہ۱۶۶۱، سونا: نیند لینا، ہ۴۳۸، میٹھی نیند: سکھ کی نیند، خوابِ راحت، ف ۱۳۲۷، مت: عقل، ہ۴۸۹، نرالی: عجیب وغریب، ہ ۳۳۰۔

آنکھیں ملنا جھنجھلا پڑنا لاکھوں جمائی انگڑائی
نام پر اٹھنے کے لڑتا ہے اٹھنا بھی کچھ گالی ہے

ہندی الفاظ مع معانی: آنکھیں ملنا: مسلنا، جھنجھلا پڑنا: چڑچڑانا، ہ ۲۱۳، جمائی: جمہائی لینا، ہ ۱۹۵۔ انگڑائی: سستی سے بدن کا ٹوٹنا، ہ۶، ف ۱۳۲۔ اٹھنا: جاگنا، بیدار ہونا، ف ۶۷، گالی: فحش بات، بدزبانی، ف ۱۰۷۸۔

جگنو چمکے پتا کھڑکے مجھ تنہا کا دل دھڑکے
ڈر سمجھائے کوئی پون ہے یا اگیا بیتالی ہے

ہندی الفاظ مع معانی: جگنو چمکے: چمکدار اڑنے والا کیڑا، ف ۳۶۵، پتّا کھڑکے: پتے کی آواز آنا، ہ ۱۳۰، دل دھڑکے: دل کا ہلنا، ڈرنا، ہ ۲۹۸، ڈر: خوف، ہ۲۲۹، پون: ہوا، س ۵۹۷، اگیا بیتالی: غول بیابانی، بھوت پریت جیسا، ف ۱۱۱۔

بادل گرجے بجلی چمکے دھک سے کلیجہ ہوجائے
بن میں گھٹا کی بھیانک صورت کیسی کالی کالی ہے

ہندی الفاظ مع معانی: بادل گرجے: بادل یا بجلی کی آواز، کڑک، ف ۱۰۸۸، بجلی چمکے: چمک، برق، ف ۱۸۱، دھک سے کلیجہ: اچانک سے، ہ ۲۹۸، حیران، ڈر، ف ۶۶۴۔ بن: جنگل، ہ ۴۳۵، گھٹا: بادلوں کا گروپ، کالی بدلی، ہ ۱۵۴، بھیانک: خوفناک، ہ ۴۰۷۔

پاؤں اٹھا اور ٹھوکر کھائی کچھ سنبھلا پھر اوندھے منھ
مینہ نے پھسلن کردی ہے اور دُھر تک کھائی نالی ہے

ہندی الفاظ مع معانی: پاؤں: پیر، ہ ۳۷۱، ٹھوکر کھائی: کسی سخت چیز کی ٹکر لگی، صدمہ یا دھوکہ کھانا، ف ۱۳۱۴، سنبھلا: تھمنا، خبردار ہونا، گرنے سے بچنا، ف ۸۱۱۔ اوندھے منھ: منھ کے بل، ہ ۸۳، مینہ: بادل، بارش، ہ ۵۲۰، پھسلن: پھسلنے کی جگہ یا عمل، ہ ۲۳۴۔ دھڑ: کمر کے اوپر کا حصہ، ہ ۲۹۸۔ کھائی نالی: نالی جیسا گڈھا، ہ ۱۳۳۔

ساتھی ساتھی کہہ کے پکاروں ساتھی ہو تو جواب آئے
پھر جھنجھلا کر سر دے پٹکوں چل رے مولیٰ والی ہے

ہندی الفاظ مع معانی: ساتھی: دوست، ہمراہی، ہ ۶۴۰، جھنجھلا کر سر دے پٹکنا: بہت زیادہ غصہ، پیچ وتاپ کھانا اور چڑ چڑا ہونا، ف ۴۹۶، ۸۷۲، ۲۱۳، ۲۶۸۔ چل رے: ہٹ، دور ہو، ف ۲۸۴، رے: کلمۂ نداوخطاب، ف ۵۷۔

پھر پھر کر ہر جانب دیکھوں کوئی آس نہ پاس کہیں
ہاں اک ٹوٹی آس نے ہارے جی سے رفاقت پالی ہے

ہندی الفاظ مع معانی: پھر پھر کر: ٹہل کر، چکر لگا کر، ہ ۲۳۴، آس: امید، ہ ۵۹، پاس: قریب، ہ ۵۹، ہارے جی: شکستہ دل، ٹوٹے دل، ہ ۲۰۱، ۶۸۲۔ اس شعر میں آس اور پاس کے مابین نہ کہ فصل نے شعر کے معنوی حسن کو دوبالا کر دیا ہے۔

دنیا کو تو کیا جانے یہ بِس کی گانٹھ ہے حرافہ
صورت دیکھو ظالم کی تو کیسی بھولی بھالی ہے

ہندی الفاظ مع معانی: بِس: زہر، ہ ۴۵۵، گانٹھ: گٹھری، ہ ۱۴۴، زہر کی پڑیا ف ۴۰۰، بھولی بھالی: سیدھی سادھی، ہ ۴۸۳۔

شہد دکھائے زہر پلائے قاتل ڈائن شوہر کُش
اس مردار پہ کیا للچایا دُنیا دیکھی بھالی ہے

ہندی الفاظ مع معانی: ڈائن: بھیانک عورت، ہ ۲۳۰، للچانا: لالچ کی نیت سے دیکھنا، ہ ۵۵۴۔ دیکھی بھالی: جانی پہچانی، سمجھی بوجھی، ف ۲۸۷، جانچ پڑتال کی ہوئی، ہ ۲۸۹۔

وہ تو نہایت سستا سودا بیچ رہے ہیں جنت کا
ہم مفلس کیا مول چکائیں اپنا ہاتھ ہی خالی ہے

ہندی الفاظ مع معانی: سستا سودا: کم قیمت، گھٹیا، ہ ۷۶۳، مول: قیمت، ہ ۵۱۷، چکائیں: ادا کریں، ہ ۱۷۵، ہاتھ خالی: روپیہ پیسہ پاس نہ ہونا، ف ۱۴۲۳۔

علاوہ ازیں دیوانِ رضا سے ہم کچھ چیدہ چیدہ اشعار ذیل میں مزید نقل کررہے ہیں ان سے بھی آپ یہ نتیجہ اخذ کرسکتے ہیں کہ دیوانِ رضا میں ہندی الفاظ کی کتنی کثرت اور کیسی ادبی معنویت ہے:

کچھ ترے پروانے کو نام کی پروا نہ ہو
لاکھ جلیں ساتوں شمع بارہ کنول نو لگن
کاٹی بندھے دھار سے پہونچے کے مچھلی ڈگن

ہندی الفاظ مع معانی: پرواہ: فکر، ہ ۳۶۱، لاکھ: سو ہزار، ہ ۵۵۶، کنول: ایک پھول، گلِ نیلوفر، ف ۱۰۳۷۔ لگن: طشت، پرات، ف ۱۱۶۱۔ کاٹی: چھوٹا مہین کانٹا، ہ ۱۰۳، بندھے: پھنسے، اٹکے، ہ ۲۴۸۔ دھار: پانی کا بہاؤ، ہ ۳۰۳، ڈگن: مچھلی شکار کرنے کا ایک آلہ، ف ۶۸۰۔

کبھی زندگی کے ارماں کبھی مرگِ نو کا خواہاں
وہ جیا کہ مرگ قرباں وہ موا کہ زیست لایا

ہندی الفاظ مع معانی: جِیا: زندگی، جی، پیارا، ف ۵۰۴، مُوا: مردہ، مرا ہوا، ف ۱۳۰۸۔

میل سے کس درجہ ستھرا ہے یہ پتلا نور کا
ہے گلے میں آج تک کورا ہی کرتا نور کا

ہندی الفاظ مع معانی: میل: گندگی، ہ ۵۲۰، ستھرا: صاف، ہ ۶۵۳، پتلا: مورتی، مجسمہ، ہ ۳۸۸، گلا: گردن، ہ ۱۴۲، کورا: نیا، غیر مستعمل جیسے کہا جاتا ہے کورا کاغذ، کورا برتن اور کورا گھڑا وغیرہ، ف ۱۰۴۲۔

یاں بھی داغِ سجدۂ طیبہ سے تمغا نور کا
اے قمر کیا تیرے ہی ماتھے ہے ٹیکا نور کا

ہندی الفاظ مع معانی: ماتھا: پیشانی، جبیں، ہ ۵۰۵، ٹیکا: تِلک، قشقہ، صندل یا سندور یا ہلدی چاول کا نشان جو ماتھے پر لگایا جاتا ہے، ہ ۲۲۰، ف ۴۳۵۔

☆☆☆

رضا اکیڈمی کی خدمات

[اکتوبر ۲۰۱۸ءتا اکتوبر ۲۰۱۹ء]

اکتوبر ۲۰۱۸ء

۳/اکتوبر ۲۰۱۸: رضا اکیڈمی کی جانب سے کیرلا سیلاب متاثرین کی مدد کے لیے الحاج محمد سعید نوری صاحب کی قیادت میں وفد کی روانگی۔

۴/اکتوبر: کیرلا ریلیف تقسیم کے بعد ممبئی واپسی پر الحاج محمد سعید نوری کا والہانہ استقبال۔

۱۰/اکتوبر: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے صد سالہ عرس مبارک کی تیاری جاری؛ بریلی کا نام ’بریلی شریف‘ رکھا جائے، عقیدت مندوں کے لیے اسپیشل ٹرین چلائی جائے۔ رضا اکیڈمی کا مطالبہ

۱۲/اکتوبر: صد سالہ عرس کے آغاز پر ۱۰۰/کلام پاک کی تلاوت رضا اکیڈمی کا تاریخی کارنامہ؛ ایک ہی نشست میں طلبہ نے ختم قرآن پاک کیا۔

۱۴/اکتوبر: طلاقِ ثلاثہ پر آرڈیننس کے خلاف رضا اکیڈمی کی عرض داشت سپریم کورٹ میں سماعت کے لیے منظور۔

۱۵/اکتوبر: قرآن سے رسول اللہ ﷺ کی تعظیم سیکھ کر اُمت دوبارہ وقار حاصل کر سکتی ہے۔ برطانیہ سے تشریف لائے ہوئے علمائے کرام (محمد میاں مالیگ و نیاز احمد مالیگ) کے ہاتھوں رضا اکیڈمی کے شائع کردہ ترجمۂ قرآن ’’کنزالایمان‘‘ کا اجرا۔

۱۵/اکتوبر: بانی رضا اکیڈمی، الحاج محمد سعید نوری کو ’’بہترین ملی خدمات کا ایوارڈ‘‘ راجستھان میں علما کے ہاتھوں نیز توصیفی سند دی گئی۔

۱۷/اکتوبر: درگاہ حضور مخدوم اشرف کچھوچھہ شریف کے سجادہ نشین کے ہاتھوں الحاج محمد سعید نوری کو ان کی ملی خدمات پر ’تہنیت نامہ‘ سے نوازا گیا۔

۱۹/اکتوبر: صد سالہ عرس اعلیٰ حضرت کے مقدس موقع پر ’رضا انعامی مقابلہ‘ کا انعقاد؛ جو ۱۹/اکتوبر ۲۰۱۸ء سے ۲۸/اکتوبر ۲۰۱۸ء تک جاری رہا، جس میں پہلا انعام ’امام احمد رضا ایوارڈ‘ عمرہ کا ٹکٹ، دوسرا انعام ’مفتی اعظم ایوارڈ‘ عمرہ کا ٹکٹ اور کنزالایمان شریف، تیسرا انعام ’تاج الشریعہ ایوارڈ‘ کنزالایمان شریف اور ’فتاویٰ رضویہ شریف‘ دیا گیا، چوتھا انعام بارہ شرکا کو توصیفی انعامات جیسے، واٹر کولر، پنکھا، ٹوسٹر، ڈنر سیٹ، وغیرہ

۱۹؍اکتوبر: طلبۂ جامعہ اشرفیہ مبارکپور سے الحاج محمد سعید نوری کی اہم ملاقات۔
۲۰؍اکتوبر: ۲۰؍ویں صدی کے عظیم مصنف اعلیٰ حضرت کے جشن صد سالہ کو تاریخی بنانے کے لیے ریاستی ومرکزی حکومت کے اقلیتی وزیر مختار عباس نقوی سے رضا اکیڈمی کے وفد کی ملاقات۔
۲۴؍اکتوبر: ابوظہبی میں علامہ توصیف رضا صاحب کی گرفتاری غیر قانونی، وہاں اکثر علما و مشائخ کو حراساں کیا جاتا ہے، جس کی ہم بھرپور مذمت کرتے ہیں، اس سلسلے میں رضا اکیڈمی کی میٹنگ۔

نومبر ۲۰۱۸ء

۳؍نومبر: امام احمد رضا کی تصانیف کے ساتھ نکالا گیا کتابوں کو عظیم کارواں، مختلف علوم پر تصانیف کا مشاہدہ کر کے آپ کے وصال کے ۱۰۰؍سال بعد بھی اہلِ علم و دانش حیران ہیں: الحاج محمد سعید نوری
۱۴؍نومبر: عالم اسلام کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی کتابوں سے استفادہ کرنا چاہیے، رضا اکیڈمی کے دفتر میں اعلیٰ حضرت کے زمانۂ طالب علمی میں لکھی گئی کتاب ’القول البلیغ‘ کا اجرا۔
۱۴؍نومبر: ممبئی میں بڑے پیمانے پر ’غریب نواز کانفرنس‘ کا اعلان۔ اجمیر مقدس ہمارا مرکز روحانی ہے اور ہمیشہ رہے گا: الحاج محمد سعید نوری صاحب
۲۱؍نومبر: رام جنم بھومی فلم پر پابندی لگائی جائے، رضا اکیڈمی کے وفد کی جوائن کمشنر دیون بھارتی سے ملاقات۔
۲۱؍نومبر: رام جنم بھومی فلم کے خلاف جے جے مارگ پولس اسٹیشن میں شکایت درج۔
۲۳؍نومبر: رضا اکیڈمی نے افغانستان میں عید میلاد النبی ﷺ کی تقریب میں ہوئے خودکش حملے کی مذمت کی۔
۲۴؍نومبر: کابل میں جشن عید میلاد النبی ﷺ پر خودکش حملے کے خلاف رضا اکیڈمی کا زبردست احتجاج۔
۲۵؍نومبر: حکومت پاکستان ’ناموس رسالت ﷺ‘ کے پہرے داروں کو گرفتار نہ کرے: رضا اکیڈمی
۲۷؍نومبر: ممبئی سی ایس ٹی پر ۲۶؍نومبر ۲۰۱۸ء حملہ آور دہشت گردوں کے خلاف رضا اکیڈمی کا احتجاجی مظاہرہ۔
۲۸؍نومبر: فلم رام جنم بھومی پر پابندی عائد کی جائے، رضا اکیڈمی کے وفد کا سینسر بورڈ کے ذمہ داران سے ملاقات کے دوران مطالبہ۔

دسمبر ۲۰۱۸ء

۲؍دسمبر: وسیم رضوی کی متنازعہ فلم رام جنم بھومی کے خلاف ایف آئی آر درج کرنے سے پولس کا ٹال

مٹول ،رضا اکیڈمی کے سر براہ الحاج محمد سعید نوری صاحب کی قیادت میں علماے کرام کا وفد جے مارگ پولس اسٹیشن سے لوٹا دیا گیا۔

۴؍دسمبر: ممبئ میں وسیم رضوی کے خلاف معاملہ درج ہونا طے۔فلم رام جنم بھومی میں کی گئ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی گستاخی مہنگی پڑے گی۔

۶؍دسمبر: بابری مسجد کی شہادت پر رضا اکیڈمی کی اپیل پر جگہ جگہ اذان کا پروگرام۔

۱۲؍دسمبر: عظمت صحابہ پر حملہ وتوہین اہلِ بیت کسی بھی حال میں برداشت نہیں۔بزرگانِ دین پر اگر کوئی انگشت نمائی کرتا ہے تو ہم ہرگز خاموش نہیں بیٹھیں گے: الحاج محمد سعید نوری

۱۴؍دسمبر: اتحاد اہلِ سُنّت کے لیے ساکی ناکہ میں علماے کرام کی نشست ،رضا اکیڈمی کے سر براہ الحاج محمد سعید نوری کا علماے اہلِ سُنّت کے اتحاد پر زور۔

۱۶؍دسمبر: خادم حسین رضوی کو باعزت بری کیا جائے ،الحاج محمد سعید نوری وعلماے کرام کا عمران خان کو کھلا خط۔

۱۹؍دسمبر: فلم رام جنم بھومی کے پروڈیوسر پر ایف آئی آر درج۔الحاج محمد سعید نوری اور رضا اکیڈمی کے دیگر ممبران کے ساتھ ساتھ علماے کرام اور دیگر تنظیموں کا شکریہ ادا کیا گیا (رضا اکیڈمی کی جد و جہد رنگ لائی)

۲۰؍دسمبر: ۶۴؍ واں جلوسِ غوثیہ بڑی شان وشوکت سے نکالا گیا۔

۲۱؍ دسمبر: پڑوسی ملک پاکستان کے سفارت خانہ کے گھیراؤ کے لیے رضا اکیڈمی کا وفد دہلی روانہ۔ ۲۴؍دسمبر کو پاکستانی سفارت خانہ تک پیدل مارچ کا اعلان: الحاج محمد سعید نوری

۲۳؍دسمبر: درگاہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف پر 'لبیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم' کی گونج۔رضا اکیڈمی کی جانب سے حضرت علامہ خادم حسین رضوی و دیگر اسیرانِ ناموسِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رہائی کے لیے خصوصی دُعائیں

۲۳؍دسمبر: بغیر محرم کے طویل سفر کرنے سے مسلم خواتین گریز کریں: الحاج محمد سعید نوری

۲۴؍دسمبر: مودی حکومت کی جانب سے پھر تین طلاق مسئلے کو اُچھالنے کی ناپاک کوشش: الحاج محمد سعید نوری کی قیادت میں احمد پٹیل سے ملاقات ،کانگریس کو پرانے موقف پر قائم رہنے کی اپیل۔

۲۵؍دسمبر: پاکستان میں علماے اہلِ سُنّت کی گرفتاری پر جنتر منتر دہلی میں زبردست احتجاجی مظاہرہ۔ علماے کرام وعوام کو حکومتِ پاکستان جلد رہا کرے۔بانی رضا اکیڈمی الحاج محمد سعید نوری کا مطالبہ

۲۸ر دسمبر: مسلمان کسی بھی ایسے فیصلے کو قبول نہیں کر سکتے جو شریعت کے خلاف ہو: الحاج محمد سعید نوری
۳۰ر دسمبر: ایف آئی آر درج ہونے کے باوجود وسیم رضوی کی سخت گستاخیاں، معیوب شخص اپنی ہٹ دھرمی پر قائم، مسلم تنظیموں کی طرف سے قانونی کارروائی کا مطالبہ۔

جنوری ۲۰۱۹ء

۴ر جنوری: قادیانی و یہودی مل کر اسلام کے خلاف سازشیں کر رہے ہیں، مرزا قادیانی کے خلاف پہلے کفر کا فتاویٰ امام احمد رضا خان بریلوی قدس سرہٗ نے دیا تھا: الحاج محمد سعید نوری
۵ر جنوری: جالنہ کے مؤقر ادارہ رضا اکیڈمی چیریٹیبل ٹرسٹ کو (۸۰ر جی) سرٹیفیکیٹ جاری
۱۴ر جنوری: استقامت فی الدین کا جو مظاہرہ سراجِ ملت نے کیا، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس پر استقامت بخشے، دفتر رضا اکیڈمی پر منعقدہ تعزیتی نشست میں علمائے کرام نے آپ کے حق میں دُعائیں کیں۔
۲۵ر جنوری: ائمہ و مؤذنین کی بہبود کے اقدامات لائق تحسین، الحاج محمد سعید نوری نے دہلی کے وزیر اعلیٰ اروند کیجریوال کو تہنیتی مکتوب روانہ کیا۔
۲۹ر جنوری: دہلی حکومت کی طرز پر ممبئی میں بھی وقف بورڈ کی زمینوں کا استعمال ائمہ کرام کی ضروریات کے لیے کیا جائے۔ تقریباً ۹۵ر ہزار ایکڑ زمینوں سے مسلمانوں کے معاشی حالات کو تبدیل کیا جاسکتا ہے: الحاج محمد سعید نوری

فروری ۲۰۱۹ء

۶ر فروری: انا ہزارے کی صحت کے متعلق ملک بھر میں تشویش، ہزارے کے مطالبات کو فوری طور پر تسلیم کیا جائے: الحاج محمد سعید نوری۔ موصوف نے انا ہزارے سے بھوک ہڑتال ختم کرنے کی اپیل کی، علما و اہم شخصیات پر مشتمل رضا اکیڈمی کے وفد کی ملاقات۔
۱۱ر فروری: رضا اکیڈمی کمل ناتھ حکومت کے آر ایس ایس نظریات کی مذمت کرتی ہے: محمد سعید نوری
۱۴ر فروری: حکومت بل نہیں لا رہی ہے، بلکہ بل کے نام پر اپنی کھلی مسلم دُشمنی کا مظاہرہ کر رہی ہے: الحاج محمد سعید نوری
۱۵ر فروری: جموں کشمیر میں ہوئے خودکش دہشت گردانہ حملے کی علمائے اہلِ سُنّت نے سخت مذمت کی۔ جموں حملہ ناقابلِ برداشت؛ دہشت گردوں کو پھانسی دی جائے: الحاج محمد سعید نوری
۱۶ر فروری: کشمیر حملے پر ممبئی شہر میں علما کا تاریخ ساز احتجاج
۲۷ر فروری: پاکستانی دہشت گردوں کو سبق سکھانے پر ممبئی کے مسلم علاقوں میں جشن کا ماحول، مٹھائیاں تقسیم، شہر میں رضا اکیڈمی و دیگر تنظیموں نے جشن منایا۔

مارچ ۲۰۱۹ء

۱۴؍مارچ: چوتھا سالانہ جلوسِ غریب نواز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ؛ رضا اکیڈمی کے زیر اہتمام بڑی شان وشوکت سے نکالا گیا۔

۱۵؍مارچ: انسانیت کو حضور خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تعلیمات کی سخت ضرورت ہے۔الحاج محمد سعید نوری

۱۶؍مارچ: نیوزی لینڈ کی مسجد پر دہشت گردانہ حملے پر علماے کرام نے مذمت کی۔

۱۷؍مارچ: نیوزی لینڈ کی دو مساجد میں حملے کے خلاف سانکلی اسٹریٹ مدنپورہ میں کینڈل مارچ احتجاج

۲۶؍مارچ: فلم راج جنم بھومی کے تعلق سے رضا اکیڈمی نے سینسر بورڈ کو مکتوب دیا۔

۲۸؍مارچ: ملک کی جمہوریت کو مضبوط کرنے کے لیے شہریوں سے بڑھ چڑھ کر ووٹنگ کرنے کی خصوصی اپیل، آپ کا ایک ووٹ ملک کے مستقبل کو سنوار سکتا ہے: الحاج محمد سعید نوری

اپریل ۲۰۱۹ء

۹؍اپریل: عالم یوم درود کے متعلق علما و مشائخ اور اہم شخصیات کی اپیل پر شہر و گاؤں میں ۲۰؍اپریل کو درود پاک کی مجالس منعقد کی جائیں: الحاج محمد سعید نوری

۱۰؍اپریل: ۲۰؍اپریل کو عالمی یوم درود کی کامیابی کے لیے مشہور ولی حضرت حاجی علی علیہ الرحمہ کی درگاہ پر دُعاؤں کا اہتمام۔

۱۰؍اپریل: ۲۰؍اپریل کو گھر گھر یوم درود منانے کی اپیل۔

۱۸؍اپریل: درودوں کی مقدس صداؤں سے شہر ناسک گونج اُٹھا، درود پاک کا وِرد تمام پریشانیوں کے خاتمے کا بہترین ذریعہ ہے: الحاج محمد سعید نوری۔ ۲۰؍اپریل کو شمسی تاریخ سے ہمارے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاریخ ولادت ہے، مسلمان اس تاریخ کو 'یوم درود' کے طور پر منائیں۔

۲۱؍اپریل: رضا اکیڈمی کے زیر اہتمام عالمی یوم درود کے اعلان پر ساری دُنیا میں درود وسلام کی صدائیں گونج اُٹھیں؛ سربراہ رضا اکیڈمی الحاج محمد سعید نوری نے عاشقانِ رسول، علماے کرام، مشائخ عظام، مساجد و مدارس کے ذمہ داران وسربراہان کا شکریہ ادا کیا۔

۲۲؍اپریل: رضا اکیڈمی کے وفد کی کینسر کے مریضوں کی عیادت، حضرت نوری شاہ بابا علیہ الرحمہ کی درگاہ پر کینسر کے مریضوں کی خدمت قابلِ ستائش: الحاج محمد سعید نوری

۲۲؍اپریل: 'عالمی یوم درود' کے موقع پر پیش کیے جانے والے درودِ پاک کی تعداد اُمید سے کہیں زیادہ رہی؛ جذبہ حب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیدار کرنے والی اس تحریک میں دُنیا بھر سے عاشقانِ مصطفیٰ شامل

ہوئے۔
۲۲/اپریل: رضا اکیڈمی کے اعلان پر شہر و مضافات کی مساجد میں کثرت سے درودِ پاک کا وِرد کیا گیا۔
۲۵/اپریل: سری لنکا کے چرچ میں بم دھماکے کی رضا اکیڈمی نے شدید مذمت کی، مذہبی مقامات پر حملہ غیر انسانی و مجرمانہ فعل۔
۲۸/اپریل: ملک میں سیکولر حکومت کے قیام کے لیے درگاہ مخدوم علی ماہمی میں رضا اکیڈمی کے وفد کی حاضری، علماے کرام کی خصوصی دُعائیں: دستورِ ہند کی حفاظت ہمارے لیے سب سے اہم ہے: الحاج محمد سعید نوری

مئی ۲۰۱۹ء

۵/مئی: سری لنکا میں انسانیت کا قتلِ عام کھلی ہوئی دہشت گردی: الحاج محمد سعید نوری، رضا اکیڈمی کے زیر اہتمام مینارہ مسجد کے پاس پر ہجوم احتجاجی مظاہرہ میں علما و ائمہ کرام نے شرکت کی۔
۹/مئی: حضرت داتا دربار میں ہوئے خودکش حملے پر مذمت کی گئی۔ بزرگوں کے مزارات پر حملہ کرنے والے امن کے دُشمن ہیں: الحاج محمد سعید نوری
۱۱/مئی: بی جے پی کے متنازعہ لیڈر گری راج کا بیان بدبختانہ، مسلمانوں کے لیے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا کی شان میں گستاخی ناقابلِ برداشت: الحاج محمد سعید نوری
۱۲/مئی: گری راج سنگھ کے خلاف ایف آئی آر درج کرانے کی کوشش، رضا اکیڈمی کے ایک وفد کی جوائنٹ کمشنر آف پولس سے ملاقات، ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و خاتون جنت کی توہین ہمیں برداشت نہیں
۱۶/مئی: گری راج کے گستاخانہ بیان پر رضا اکیڈمی کا احتجاج جاری، درگاہ حضرت مخدوم علی ماہمی علیہ الرحمہ میں علماے کرام کی اہم میٹنگ
۱۷/مئی: ملعون گری راج پر قانونی شکنجہ کسنے کے لیے رضا اکیڈمی کی جد و جہد جاری، علماے اہلِ سُنّت کے وفد کی ایڈیشنل کمشنر نشیت مشرا سے ملاقات۔
۱۸/مئی: گری راج پر فوری کارروائی کے لیے ممبئی کی مساجد کے باہر نمازِ جمعہ کے بعد دستخطی مہم، مسلمانوں میں شاتمِ رسول کے خلاف شدید غم و غصہ، حکومت جلد سے جلد کارروائی کرے: الحاج محمد سعید نوری
۲۷/مئی: ’غارِ احد‘ بند نہ کرنے کا رضا اکیڈمی کا مطالبہ
۲۹/مئی: ’غارِ احد‘ سعودی حکومت نے پھر ایک تاریخی اسلامی یادگار کو مٹانے کا بدبختانہ فیصلہ کیا، احد

شریف کے غار کو بند کرنا مسلمانوں کے مابین تفرقہ پیدا کرنے کی ناپاک سازش: الحاج محمد سعید نوری

جون ۲۰۱۹ء

۱؍جون: جمعۃ الوداع کو یوم القدس کا اہتمام، قبلۂ اول کی بازیابی اور مظلوم فلسطینیوں کے حق میں آواز بلند کی گئی۔ مساجد میں دُعائیں کی گئیں، احتجاج کیا گیا اور ریلی نکالی گئی۔

۱؍جون: مسجد اقصیٰ کی حفاظت صرف فلسطینی مسلمانوں کی ذمہ داری نہیں؛ بلکہ پوری اُمتِ مسلمہ کا فرض ہے: الحاج محمد سعید نوری

۸؍جون: منماڑ میں ڈھائی لاکھ لیٹر پانی تقسیم: پیرطریقت سید معین میاں اشرفی الجیلانی اور الحاج محمد سعید نوری کی قیادت میں مشترکہ نمائندہ وفد منماڑ پہنچا۔

۱۰؍جون: ٹونکل شرما کا وحشیانہ قتل جمہوری ملک پر بدنما داغ: الحاج محمد سعید نوری، رضا اکیڈمی کے زیر اہتمام سُنّی ہری مسجد گوونڈی میں مذمتی میٹنگ۔

۱۱؍جون: ٹونکل شرما کے قاتلوں کو پھانسی دو، مینارہ مسجد کے باہر رضا اکیڈمی کی جانب سے احتجاج، قاتلوں کے خلاف سخت کارروائی کا مطالبہ

۱۲؍جون: ممبئی میں مقتول ٹونکل شرما کو انصاف دلانے کے لیے کینڈل احتجاج

۱۳؍جون: پاچورہ اور چالیس گاؤں پانی کی شدید قلت سے دوچار، ایک سو اڑسٹھ ویں یوم رضا کی نسبت سے ایک لاکھ اڑسٹھ ہزار لیٹر پانی پہنچانے کا عزم: رضا اکیڈمی

۱۴؍جون: طلاقِ ثلاثہ بل مسلمانوں کے لیے ناقابلِ قبول: الحاج محمد سعید نوری

۱۵؍جون: رضا اکیڈمی نے متعدد علاقوں میں پانی تقسیم کر کے یوم رضا منایا۔

۱۷؍جون: مودی حکومت شریعت میں مداخلت کرنا بند کرے، ملک کے کروڑوں مسلمان بل کو مسترد کرتے ہیں: الحاج محمد سعید نوری

۲۷؍جون: تبریز انصاری سنگھی دہشت گردی کا شکار، ملک بھر میں جاری ہجومی تشدد کے نام پر مسلمانوں کا قتلِ عام بند کیا جائے: الحاج محمد سعید نوری

جولائی ۲۰۱۹ء

۱۲؍جولائی: ماب لنچنگ کے نام پر فرقہ پرست تنظیمیں مسلم اور دلت میں خوف پیدا کر رہی ہیں: الحاج محمد سعید نوری

۱۵؍جولائی: حجاجِ کرام اپنی پوری توجہ ارکانِ حج کی ادائیگی پر رکھیں: رضا اکیڈمی کے زیر اہتمام گوونڈی میں حج تربیتی نشست

۱۶/ جولائی: وسیم رضوی کی جانب سے حضرت عائشہ صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر فلم بنانے کا بدبختانہ اعلان، دانش وران اور علماے کرام نے شدید ردِ عمل کا اظہار کرتے ہوئے اس اعلان کو بدبختی اور پاگل پن سے تعبیر کیا۔ یہ شخص ملک کی سالمیت کے لیے خطرہ ہے، اس پر قانونی کارروائی ہو: الحاج محمد سعید نوری

۱۹/ جولائی: شمالی بہار میں سیلاب کی یلغار، معمولاتِ زندگی متاثر، رضا اکیڈمی اور دارالعلوم فیضانِ مفتی اعظم کی جانب سے مسلسل ریلیف تقسیم۔

۲۸/ جولائی: اسدالدین اویسی کی جرأت مندی، رضا اکیڈمی نے ایم آئی ایم ممبئی کے دفتر پر پہنچ کر مبارک باد پیش کی۔

۳۱/ جولائی: راجیہ سبھا میں طلاقِ ثلاثہ بل کا پاس ہوجانا افسوس ناک: الحاج محمد سعید نوری

اگست ۲۰۱۹ء

۱/ اگست: تحفظ شریعت کے لیے علما و مشائخ میدان میں نکلے، طلاقِ ثلاثہ بل کے خلاف ممبئی کے علماے کرام گرفتاریاں دیں گے۔

۳/ اگست: تین طلاق قانون کے خلاف زبردست مظاہرہ، مدنپورہ میں علماے اہل سنت نے گرفتاریاں پیش کیں۔ جبراً بنایا گیا قانون جمہوریت کے نام پر دھبہ: الحاج محمد سعید نوری

۸/ اگست: طلاقِ ثلاثہ قانون کو سپریم کورٹ میں چیلنج کرنے کے لیے رضا اکیڈمی کا وفد دہلی پہنچا، شرعی اور قانونی نکات کے تحت طلاقِ ثلاثہ قانون کو سپریم کورٹ میں چیلنج کیا جائے گا۔

۱۵/ اگست: سانگلی و کولہاپور سیلاب متاثرین کے لیے رضا اکیڈمی کا راحتی گشت۔ سیلاب متاثرین کی مدد کرنا ملی فریضہ ہے: الحاج محمد سعید نوری

۲۰/ اگست: امدادی اشیا کے ساتھ متاثرہ علاقوں میں پہنچے رضا اکیڈمی کے کارکنان، گھر گھر راحتی اشیا کی تقسیم۔

۲۲/ اگست: سانگلی و کولہاپور کے سیلاب متاثرین کو رضا اکیڈمی کے ذریعے ریلیف تقسیم تیسرے دن بھی جاری۔

۲۳/ اگست: پریشاں حال لوگوں کی امداد اسلام کی بنیادی تعلیم کا حصہ: رضا اکیڈمی

ستمبر ۲۰۱۹ء

۴/ ستمبر: عقیدۂ ختم نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایمان کی بنیاد ہے، ناموسِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت سروں پر کفن

باندھ کر کریں گے: الحاج محمد سعید نوری

۴/ستمبر: فتنۂ قادیانیت کو علماے کرام جڑ سے اُکھاڑ پھینکیں۔ وسیم رضوی کے خلاف قانونی کارروائی کے لیے مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ سے علما کے وفد کی ملاقات۔

۷/ستمبر: ممبئی میں ''ختم نبوت ﷺ کانفرنس'' کے لیے ماحول سازی، ملک بھر سے علماے کرام و مشائخ عظام کی شرکت متوقع۔

۷/ستمبر: گھڑپ دیو میں فتنۂ قادیانیت کے خلاف تاریخ ساز ''تاج دارِ ختم نبوت ﷺ کانفرنس'' کا انعقاد۔

۱۵/ستمبر: درگاہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف سے بڑا اعلان، وسیم رضوی ملک کی سالمیت کے لیے ناسور، حکومت متنازع فلم پر پابندی عائد کرے، ورنہ مسلمان خاموش نہیں بیٹھیں گے: الحاج محمد سعید نوری

۱۷/ستمبر: عقیدۂ ختم نبوت ﷺ ایمان کی کسوٹی ہے: الحاج محمد سعید نوری۔ فتنۂ قادیانیت کے خلاف

۱۸/ستمبر کو سنی ہری مسجد گوونڈی میں ''تاج دارِ ختم نبوت ﷺ کانفرنس''

۲۴/ستمبر: سعودی ڈے پر مغربی کلچر کا فروغ اسرائیل و امریکہ سے دوستی کا نتیجہ، سعودی ڈے میں ہونے والے خرافات پر رضا اکیڈمی کا مینارہ مسجد کے سامنے پر زور احتجاج

۲۷/ستمبر: ''تاج دار ختم نبوت ﷺ کانفرنس'' رضا اکیڈمی کے زیر اہتمام اہم میٹنگ کا انعقاد

اکتوبر ۲۰۱۹ء

۴/اکتوبر: ''تاج دار ختم نبوت ﷺ کانفرنس'' میں سیکڑوں علماے کرام کی شرکت متوقع

۷/اکتوبر: منکرین ختم نبوت کے خاتمے کے لیے جدوجہد جاری رہے گی، فتنۂ قادیانیت کے خلاف سنی بڑی مسجد میں تاریخ ساز ''تاج دار ختم نبوت ﷺ کانفرنس'' کا انعقاد

۸/اکتوبر رضا اکیڈمی کے زیر اہتمام سالانہ مجلہ ''یادگار رضا'' کے ۲۶/ویں شمارہ کی اشاعت کا عزم

☆☆☆

رضا اکیڈمی کی سرگرمیاں جاری ہیں۔ کئی منزلیں طے ہونی ہیں۔ مفتی اعظم رضی اللہ عنہ کے فیض کی جلوہ باریاں ہیں۔ اکابر علما و مشائخ کی دُعائیں ہیں۔ ان شاء اللہ! کام کی بزم سجی رہے گی۔ فضا مہکتی رہے گی۔ عوام اہل سنت دُعا کریں کہ اخلاصِ عمل عطا ہو اور فروغِ اہلِ سنت و مسلک اعلیٰ حضرت کا مبارک سفر طے ہوتا رہے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ